کلیاتِ صُوفی تبسّم

صُوفی غلام مُصطفیٰ تبسّم

حمد پبلی کیشنز

رانا چیمبرز۔ سیکنڈ فلور۔ (چوک پرانی انار کلی) ۔ لیک روڈ۔ لاہور

ھماری کتابیں . . . . .

خُوبصورت، معیاری اور

کم قیمت کتابیں

تزئین واہتمام اشاعت

صفدر حسین

ضابطہ

اشاعت دوم : جولائی ۱۹۹۸ء

مطبع : شرکت پریس لاہور

قیمت : 300/- روپے

انتساب

اپنے بچّوں
کے نام

مختصر حالاتِ زندگی

مشہور و معروف معلّم، شاعر، ادیب اور نقّاد صوفی تبسّم امرتسر میں ۴ اگست ۱۸۹۹ء کو پیدا ہوئے جہاں آپ کے بزرگ کشمیر سے آ کر آباد ہو گئے تھے، آپ نے ابتدائی تعلیم چرچ مشن سکول امرتسر میں حاصل کی۔ ایف۔ اے خالصہ کالج امرتسر سے کیا، اس کے بعد ایف۔ سی کالج لاہور سے بی۔ اے کیا۔ آپ نے اسلامیہ کالج لاہور سے ایم۔ اے فارسی کی سند حاصل کی، ایم۔ اے فارسی کرنے کے بعد سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے بی۔ ٹی کا امتحان پاس کیا، ایم۔ اے، بی۔ ٹی کرنے کے بعد گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر میں بطور اُستاد مقرر ہوئے، کچھ عرصہ تدریسی فرائض سرانجام دینے کے بعد انسپکٹر آف سکولز ہو گئے، اس کے بعد سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں السنہ شرقیہ کے پروفیسر ہوئے، تین چار سال یہاں کام کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور چلے آئے، گورنمنٹ کالج لاہور میں صدر شعبۂ فارسی اور صدر شعبۂ اُردو رہے، پھر مدّتِ ملازمت اسی کالج میں گزار کر یہیں سے ریٹائر ہوئے، آپ کے شاگرد ہزاروں کی تعداد میں پاکستان کے گوشے گوشے میں موجود ہیں،

آپ کے حلقۂ احباب میں پطرس بخاری، ڈاکٹر تاثیر، عبدالمجید سالک، چراغ حسن حسرت، حفیظ جالندھری، پنڈت ہری چند اختر، مجید ملک اور امتیاز علی تاج شامل ہیں۔ لاہور کا یہ علمی ادبی حلقہ نیازمندانِ لاہور کے نام سے بھی مشہور ہے، اگرچہ آپ ۴ اگست ۱۹۵۴ء کو گورنمنٹ کالج لاہور سے ریٹائر ہو گئے لیکن ریٹائر ہونے کے بعد بھی آپ درحقیقت ریٹائر نہ ہوئے بلکہ آپ بدستور علمی ادبی کاموں میں مصروف رہے ۱۹۵۶ء میں آپ کو

خانۂ فرہنگِ ایران کا ڈائریکٹر بنا دیا گیا، اس جگہ آپ چار پانچ سال تک کام کرتے رہے۔ خانۂ فرہنگ ایران کو صحیح خطوط پر چلانے اور لوگوں میں فارسی کا ذوق و شوق پیدا کرنے میں صوفی صاحب کی کوششیں قابلِ داد ہیں۔

آپ کچھ عرصہ تک "لیل و نہار" کے ایڈیٹر بھی رہے، آپ کی سرپرستی میں اس علمی ادبی مجلّے نے کافی ترقی کی اور اس کا شمار اعلیٰ معیاری رسالوں میں ہونے لگا، لیل و نہار میں کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد اس کی ادارت کو خیرباد کہا اور ریڈیو پاکستان لاہور سے وابستہ ہو گئے، ریڈیو پاکستان لاہور میں آپ بطور ایک مشیر نہایت تندہی اور مستعدی سے کام کرتے رہے، آپ نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں جنگی ترانے لکھ کر قومی خدمت کا ایک اہم فریضہ سرانجام دیا، آپ پاکستان آرٹ کونسل میں بطور چیئرمین اور پاکستان اقبال اکیڈمی میں بطور وائس چیئرمین کام کرتے رہے، پاکستان کی طرف سے مختلف ثقافتی مشن جب ایران اور روس کے دورے پر گئے تو اس میں آپ نے بھی شرکت کی۔

صدر ایوب کے دور میں آپ کو علمی ادبی خدمت کے صلے میں تمغۂ حسنِ کارکردگی سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ پانچ ہزار روپیہ نقد انعام ملا، کچھ عرصے کے بعد آپ کو ستارۂ امتیاز سے نوازا گیا، حکومتِ ایران نے آپ کو فارسی زبان و ادب کے صلے میں نشانِ فضیلت انعام میں دیا۔

صوفی تبسم مرحوم فارسی، اُردو اور پنجابی تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے آپ کو زبان و بیان پر بہت قدرت حاصل تھی، اُردو کے علاوہ فارسی اور پنجابی کے بھی قادر الکلام شاعر تھے، پنجابی میں بھی بے ساختہ شعر کہتے تھے اور پنجابی کے شعرا انہیں استاد مانتے تھے۔

صوفی تبسم بچّوں کے شاعر بھی تھے، انہوں نے بچّوں کے لئے ایسی نظمیں لکھیں جو زبان زدِ عام ہیں۔ بچّے ان نظموں کو نہایت آسانی سے ازبر کر لیتے ہیں اور گاتے پھرتے ہیں۔ درحقیقت بچّوں کی شاعری اس گہری محبت و شفقت کا اظہار ہے جو

صوفی صاحب بچّوں کے لئے رکھتے تھے، نظموں کا ایک مجموعہ "جھولنے" شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ نظموں کا ایک مجموعہ "ٹوٹ بٹوٹ" ہے جو خاص طور پر بہت مشہور ہے، اسے فیروز سنز لاہور نے شائع کیا ہے، ایک دیوان انجمن کے نام سے فیروز سنز لاہور نے دوبارہ شائع کیا ہے، اس دیوان میں اُردو، فارسی اور پنجابی تینوں زبانوں کا کلام شامل ہے، امیر خسرو کے فارسی کلام کا منظوم اُردو ترجمہ "دوگونہ" کے نام سے نیشنل بک فاؤنڈیشن آف پاکستان نے شائع کیا ہے۔ بچّوں کی نظموں کا ایک مجموعہ "ٹول مٹول" کے نام سے شیخ غلام علی اینڈ سنز نے شائع کیا ہے۔

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ مسلمانوں کا علم جغرافیہ اور شوقِ سیاحت ایک ڈرامہ جاہ و جلال۔ دو ناٹک (پنجابی ڈرامے) صد شعر اقبال، حکمتِ قرآن، شرح دیوانِ غالب (فارسی) دو جلدوں میں، روحِ غالب، سراپردۂ افلاک، نقشِ اقبال، یک ہزار و یک سخن، بچے اور اقبال، اقبال لاہوری، دامنِ دل (مجموعہ غزلیات) نظراں کردیاں گلاں (پنجابی کلام) سرشکِ تبسم (مجموعہ کلام) وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

صوفی تبسم مرحوم نے ۷ فروری ۱۹۷۸ء کو وفات پائی۔ اُس وقت آپ کی عمر ۷۹ برس کے قریب تھی، اللہ تعالیٰ آپ کو جنّت الفردوس میں جگہ دے اور اپنے امان میں رکھے۔

آج صوفی تبسم کی وفات سے اہلِ نظر کے ہاں ماتم برپا ہے، زندہ دلانِ لاہور ختم ہو چکے ہیں، صوفی صاحب کا دم غنیمت تھا مگر آہ موت کے ہاتھوں کس کو رستگاری ہے۔

ع کچھ اس طرح سے تری یاد چھن گئی ہم سے
سفر میں جیسے کوئی ہم سفر کو کھو بیٹھے

مرتب
صوفی گلزار احمد

صُوفی تبسّم کی تصانیف

۱۔ انجمن (مجموعہ کلام) فارسی۔ اُردو۔ پنجابی
مطبوعہ فیروزسنز لمیٹڈ۔ لاہور (دوسرا ایڈیشن)

۲۔ دامنِ دل (مجموعہ غزلیات) مطبوعہ مکتبہ عالیہ لاہور (بار اوّل)
مرتب : صوفی گلزار احمد

۳۔ سرشکِ تبسّم (مجموعہ نظم، گیت، قومی ترانے)
مطبوعہ نیشنل بک فاؤنڈیشن۔ اسلام آباد مرتب : صوفی گلزار احمد

۴۔ نظراں کردیاں گلّاں (پنجابی کلام) مطبوعہ پنجابی ادبی بورڈ۔ لاہور
مرتب : صوفی گلزار احمد

۵۔ انتخاب کلامِ اقبال مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان۔ طبع اوّل ۱۹۷۷ء

۶۔ انتخاب کلامِ امیر خسرو (طوطیِ شکر مقال) (عکسی)
مطبوعہ پیکیجز لمیٹڈ۔ لاہور طبع اوّل

۷۔ اقبال اور بچے مطبوعہ پیکیجز لمیٹڈ لاہور طبع اوّل

۸۔ یک ہزار و یک سخن مطبوعہ پیکیجز لمیٹڈ لاہور طبع اوّل

۹۔ شرح غزلیاتِ غالب (فارسی) جلد اوّل اور دوم
مطبوعہ پیکیجز لمیٹڈ لاہور طبع اوّل

۱۰۔ تیر و نشتر (اقبال کے اردو اشعار) انتخاب صوفی تبسّم مرحوم

۱۱۔ تیرونشتر (اقبال کے فارسی اشعار) ۔انتخاب صوفی تبسّم مرحوم

۱۲۔ پنجاب کی شاعری پر فارسی روایات کا اثر

مطبوعہ محکمۂ تعلقاتِ عامہ حکومت پنجاب لاہور

۱۳۔ حرف وصوت ۔ اردو/فارسی ۔ انتخاب کلامِ اقبال

حصّہ فارسی (صوفی تبسّم) ۔ حصّہ اردو (احمد ندیم قاسمی)

شائع کردہ: نیشنل کمیٹی برائے تقریبات صد سالہ جشن ولادتِ اقبال ۱۹۷۷ء

طبع اوّل

۱۴۔ شرحِ صد شعرِ اقبال ۔ (جلد اوّل اردو) مطبوعہ اُردو سائنس بورڈ ۔ لاہور

طبع اوّل ۱۹۷۷ء

۱۵۔ سراپردۂ افلاک ۔ مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۔ طبع اوّل ۱۹۷۷ء

۱۶۔ نقشِ اقبال ۔ (علامہ اقبال کے فارسی کلام کا پنجابی ترجمہ)

مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان ۔ لاہور

۱۷۔ علامہ اقبال ۔ از آقای مجتبیٰ مینوی ۔ مترجم صوفی تبسّم

مطبوعہ بزمِ اقبال (بار دوم)

۱۸۔ شعر فارسی معاصر (فارسی، اُردو) مرتبہ: صوفی تبسّم ۔ محمد حسین عرشی

شائع کردہ: گلوب پبلشنگ کمپنی ۔ اندرون لوہاری دروازہ ۔ لاہور

۱۹۔ رُوحِ غالب ۔ مطبوعہ گلوب پبلشرز ۔ اُردو بازار لاہور ۔ طبع دوم

۲۰۔ زندہ نغمے ۔ مرتبہ صوفی تبسّم ۔ میر نسیم محمود ۔ ناصر کاظمی

مطبوعہ حامد محمود اینڈ کمپنی لاہور ۔ طبع اوّل

۲۱۔ دو ناٹک (ساون رین دا سُفنا ۔ خطرناک لوک)
زیرِ طبع؛ سنگِ میل پبلشرز لاہور ۔ طبع دوم

۲۲۔ جاہ و جلال ۔ ایک ڈرامہ (اُردو) زیرِ طبع سنگِ میل پبلشرز ۔ طبع دوم

۲۳۔ حکمتِ قرآن ۔ زیرِ طبع سنگِ میل پبلشرز لاہور ۔ طبع دوم

۲۴۔ مسلمانوں کا علمِ جغرافیہ اور شوقِ سیاحت
زیرِ طبع : سنگِ میل پبلشرز لاہور ۔ طبع دوم

۲۵۔ کلیاتِ طغرائی ۔ مرتبہ صوفی تبسّم ۔ مطبوعہ مسلم پریس لاہور ۔ طبع اوّل

۲۶۔ دوگونہ (امیر خسرو کی سو غزلوں کا اُردو غزل میں ترجمہ)
مطبوعہ نیشنل بک فاؤنڈیشن ۔ اسلام آباد ۔ طبع اوّل

۲۷۔ جھولنے (بچّوں کی نظمیں) فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ۔ طبع دوم (انعام یافتہ)

۲۸۔ ٹوٹ بٹوٹ (بچّوں کی نظمیں) فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ۔ طبع دوم (انعام یافتہ)

۲۹۔ ٹول مٹول (بچّوں کی نظمیں) شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۔ طبع اوّل

۳۰۔ صد شعرِ اقبال (فارسی) ۔ زیرِ طبع ۔ مرتب : صوفی گلزار احمد

۳۱۔ علامہ اقبال صوفی تبسّم کی نظر میں ۔ مصنف صوفی تبسّم مرحوم
مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان ۔ لاہور ۔ مرتب : ڈاکٹر نثار قریشی

دیباچہ

صوفی غلام مصطفےٰ نام اور تبسّم تخلّص تھا۔ آپ عام طور پر صوفی تبسّم کے نام سے مشہور تھے۔ آپ برصغیر پاک و ہند کے مشہور و معروف قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ کی شاعری گذشتہ نصف صدی پر محیط ہے۔ آپ محض اُردو کے شاعر ہی نہیں تھے بلکہ فارسی اور پنجابی کے شاعر بھی تھے، آپ نے جس زبان کی شاعری سے ابتدا کی، وہ فارسی شاعری تھی آپ نے بچپن ہی سے فارسی میں شعر کہنے شروع کر دیئے تھے تعلیم کے حصول کے بعد آپ فارسی کے معلّم ہوتے، اس لئے آپ کی زبا ندانی نے بھی فارسی شاعری کو جلا بخشی، پھر آپ کو بچپن سے ہی ایسے ایسے قادر الکلام اساتذہ سے واسطہ پڑا جنھوں نے فارسی کا ذوق و شوق اُبھارنے میں کافی مدد کی، ان میں حکیم فیروزالدین طغرائی کا نام قابل ذکر ہے، وہ شعر و شاعری میں آپ کے اُستاد تھے، ایسے نابغۂ روزگار اُستاد کی محبّت کے زیر اثر آپ کی شاعری میں بدرجۂ اتم پختگی پیدا ہوئی۔ آپ کے شعری ذوق کو فارسی سے خاص مناسبت تھی۔ ذرا فارسی کلام کے نمونے ملاحظہ کیجئے۔

فارسی شاعری

گوہر شو و بگوشِ نگاراں رسیدہ باش
یا ہمچو اشک از سرِ مژگاں چکیدہ باش

خوشا نصیب کہ زیب کنار من باشی
قرار جان و دل بی برقرار من باشی

غرور و ناز بیک سو نهی و از رہِ لطف
نیازمند شوی، غمگسار من باشی
حدیثِ درد و الم بشنوی ز راہِ کرم
بہ چارہ سازیِ جانِ فگارِ من باشی

سے
دلِ تو معرکۂ سوز و ساز باید و نیست
لبِ تو زمزمہ پیرای ناز باید و نیست
شُد است حسُن ز چشمِ جہانیاں مستور
کہ عشق را نگہِ پاکباز باید و نیست،
بیانِ کفر چنیں دلنشیں نباید و ہست
حدیثِ شیخِ حرم دلنواز باید و نیست
میانِ کعبہ و بت خانہ فرق میور زند
میانِ عشق و ہوس امتیاز باید و نیست

سے
یارم اندر کنار می آید
در چمن نو بہار می آید
از وفا نغمہ ہای خوش ریزد
وز جفا شرمسار می آید
چوں نسیم شمال می خیزد
مثلِ ابرِ بہار می آید

ابتدائی دَور میں آپ فارسی سے خاص لگاؤ رکھتے تھے اور زیادہ تر فارسی میں کہتے رہے، لاہور آکر پطرس بخاری، ڈاکٹر تاثیر، عبدالمجید سالک اور حسرت کی محفلوں نے ان کی طبیعت میں ایک نئی لہر پیدا کر دی اور وہ اُردو کی طرف مائل ہوتے بالخصوص آخری چند سالوں میں تو انہوں نے فارسی کے مقابلے میں اُردو میں زیادہ کہا ہے،

اُردو شاعری

صوفی تبسم نے زندگی بھر علم وادب کی خدمت کی اور آخری دَم تک علم کا خزانہ لٹاتے رہے، آپ نے کافی ادبی سرمایہ چھوڑا ہے جس میں استادانہ فکر و فن کے جوہر موجود ہیں، فنی پختگی، زبان پر قدرت اور روایات کا گہرا شعور آپ کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

غزل، قطعہ، نظم اور رُباعی غرضیکہ ہر صنف میں ان کی شاعری کے نہایت عُمدہ اور دلکش نمونے موجود ہیں، صوفی صاحب کی غزلیں حُسن وعشق کی داستاں ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دَرد مند دل کی کہانی بھی ہیں مگر ان کے ہاں تڑپنے اور پھڑکنے کی کیفیت کی بجائے ایک میٹھا میٹھا احساسِ دردمندی پیدا ہوتا ہے جس میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کی آمیزش ہے، وہ اپنے جذبات کے اظہار کے لئے کلاسیکی طرزِ بیاں اختیار کرتے ہیں، ان کے تغزّل میں گیتوں کا رَس، گھلاوٹ اور لوچ ہے، وہ اپنے خیالات و جذبات کو بڑی سادگی، صفائی، نغمگی و ترنّم اور لطافت و شیرینی کے ساتھ شعر کے قالب میں ڈھالتے ہیں جس سے ان کے اسلوب بیان میں ایک امتیازی شان پیدا ہو گئی ہے۔

ذرا یہ شعر ملاحظہ کیجئے

سو بار چمن مہکا، سو بار بہار آئی
دُنیا کی وہی رونق، دل کی وہی تنہائی
دیکھے ہیں بہت ہم نے ہنگامے محبت کے
آغاز بھی رسوائی، انجام بھی رسوائی

آج سجدوں کی انتہا کردوں
شوق مٹ جائے یا جبیں نہ رہے

صوفی صاحب مترنّم بحروں میں غزل کہنے والے شاعر تھے، ان کی غزلوں میں فارسی کی شیرینی، پنجاب کا سوز میں ڈوبا ہوا لہجہ اور اُردو روایت کا شگفتہ انداز اپنی آب و تاب

کے ساتھ جلوہ گر ہے، صوفی صاحب کی شاعری میں محبت کے جذبات کی سچی اور صحیح ترجمانی ملتی ہے، ان کے اشعار قاری کے دل کی دھڑکن ہیں، وارداتِ قلبی کا اظہار بڑی بے باکی سے کرتے ہیں۔ یہ اشعار ملاحظہ کیجئے۔

ے محبت کی خموشی بھی فسانہ
محبّت کی فغاں بھی خوش نوائی
ہنسی کیا آئی اُن نازک لبوں پر
تبسّم ایک دُنیا مُسکرائی

صوفی تبسّم مرحوم کی غزلوں میں بلا کی سادگی اور روانی پائی جاتی ہے، ان کی چھوٹی بحر کی غزلیں سہلِ ممتنع کی خصوصیات سے مالامال ہیں لیکن اس سادگی میں بھی پُرکاری ہے۔

ے ایسے بھی تھے کچھ حالات
دل سے چھپائی دل کی بات
ہر اِک نے اِک بات کہی
کوئی نہ سمجھا دل کی بات

ے دل کو جب بے کلی نہیں ہوتی
زندگی زندگی نہیں ہوتی
جان پر کھیلتے ہیں اہلِ وفا
عاشقی دل لگی نہیں ہوتی

صوفی صاحب کو عشق و محبّت کے جذبات و احساسات کا اتنا واضح شعور تھا کہ وہ اپنے کلام میں جگہ جگہ ان جذبات و احساسات کی صحیح اور سچّی تصویر کھینچ کر رکھ کر رکھ دیتے ہیں، ذرا یہ شعر ملاحظہ کیجئے۔

ے محبت کا کوئی نہیں ہے سہارا
محبت ہی دُکھ ہے محبّت ہی چارا

ترے شوقِ منزل کی وا ماندگی ہے
نظر آ رہا ہے جو تجھ کو کنارا
یہ تیرا ہی فیضانِ غم ہے کہ مَیں نے
غمِ زندگی کر لیا ہے گوارا
مری زندگی کی بہار و خزاں کو
تمہیں نے بگاڑا، تمہیں نے سنوارا
یہ کون آگیا میری تنہائیوں میں
یہ کس نے شبِ غم میں مجھ کو پکارا

ے جب بھی دو آنسو نکل کر رہ گئے
درد کے عنواں بدل کر رہ گئے
زندگی بھر ساتھ دینا تھا جنہیں
دو قدم ہمراہ چل کر رہ گئے

پنجابی شاعری

صوفی تبسم پنجابی کے بھی عظیم شاعر تھے، صوفی صاحب کی پنجابی غزلیں، گیت اور دوہڑے بہت مشہور ہیں۔ آپ نے غالب، اقبال اور کئی انگریزی شعرا کے کلام کا پنجابی میں ترجمہ بھی کیا، آپ کی پنجابی غزلیں، نظمیں، گیت، دوہڑے اور ترجمے آپ کو پنجابی کا ایک صاحب طرز شاعر بناتے ہیں، آپ کی یہ شاہکار غزل کبھی فراموش نہیں کی جا سکتی۔

ے ساڈے عشق دے چمکدے لیکھاں تے ڈاہڈے غم دیاں سیاہیاں ڈُہل گئیاں
جیہڑیاں حسن ترے چمکائیاں سان، او چانݨیاں راتاں رُل گئیاں
ایس عشق نمانڑے دے دھاگے دیاں کجھ ایڈ اولڑیاں گنجلاں سان
کجھ کھولدے ہور پیاں، کجھ پینڈیاں پینڈیاں کھُل گئیاں

ے اک عمر فراق دے وِچ گزری
دو چار گھڑی دی زندگی سی
اِک گل تینوں کہنی چاہوناں ساں
ہُن یاد نئیں آوندا کہ کی سی

صوفی صاحب کی پنجابی شاعری میں حسن و عشق ایک نئے رُوپ میں نظر آتے ہیں، اُن کی شاعری میں وصال بھی ہے، فراق بھی، خوشی بھی ہے اور تڑپ بھی، ملاپ بھی ہے اور انتظار بھی، یہ لطیف جذبات چھوٹی چھوٹی بحروں میں اس رَوانی سے سامنے آتے ہی جیسے ندی بہہ رہی ہو، مثلاً صوفی صاحب کے مندرجہ ذیل گیت میں جذبۂ عشق کی کارفرمائی دیکھئے۔

ے پپلاں تے پینگاں پئیاں
پپلاں تے پینگاں پئیاں
سب رَل مِل گاون سئیاں
پپلاں تے پینگاں پئیاں
اُچی ٹہنی تے کوئل بولے
من ترسے جیوڑا ڈولے
اکھیں نیر بہاون پئیاں
پپلاں تے پینگاں پیاں

ذرا مندرجہ ذیل گیت میں اُن لطیف جذبات اور احساسات کا اندازہ کیجئے جو اس گیت میں بیان کئے گئے ہیں۔

ے نماں نماں دِیوا بلے
دُور دُور کنڈھیاں اُتے
بیڑی پئی ڈولدی اے
بچنے دی راہ کوئی ناں

صوفی صاحب کی پنجابی شاعری میں عورت کے جذبات اور احساسات کی صحیح عکاسی نظر آتی ہے، جب محبوب نہیں ہوتا تو محبوب کے نہ ہونے سے راتیں معمول سے زیادہ لمبی ہو جاتی ہیں اور آباد گھر بھی سنسان لگتا ہے کیونکہ اس کی رونق اُس کے محبوب کے دَم سے ہوتی ہے، محبوب کے بغیر اُسے کپڑے، زیور اور بناؤ سنگھار کچھ نہیں سوجھتا، ذرا اس گیت میں ان جذبات کی کارفرمائی دیکھئے۔

سے
پئی تکنی آں سُنجیاں راہواں نوں
تیرے باجھوں رین پہاڑ دِسے
گھر وَسدا پیا اُجاڑ دِسے
کوئی آوندا جاندا دِسدا نہ
پئی تکنی آں سُنجیاں راہواں نوں

صوفی صاحب عورت کے حُسن کی رعنائی اور دلکشی کو بہت پسند کرتے ہیں اور وہ بھی گاؤں کی الھڑ، معصوم عورت کو جو کہ پنجابی شاعری کی جان ہے، پنجاب کے مخصوص اور مانوس ماحول میں گاؤں کی عورت کھیتوں میں کام کرتی ہوئی دھیرے دھیرے چلتی ہوئی نظر آتی ہے مثلاً نظموں میں "کھیت دی رانی" میں دیہاتی عورت کے جذبات کی صحیح اور مکمل عکاسی کی گئی ہے۔

سے
کھیتاں دے وِچ کھیت دی رانی
ناز کریندی مَست جوانی
کلی ہتھ وِچ داتری لے کے
پیلاں پاوے، گانا گاوے
اک پَل ٹھہرے تے مُڑ جاوے

نظموں میں ایک اور نظم "کسے دی یاد" میں صوفی صاحب نے محبوب کی یادوں کی کتنی صحیح اور حقیقی تصویر پیش کی ہے جو ہمیشہ کے لئے بچھڑ جاتا ہے اور پھر فراق اور

تنہائی کی طویل راتیں چھوڑ جاتا ہے، اس فراق اور تنہائی کے ساتھ ساتھ اس کی حسین یادیں بھی ہر لمحہ غم کے آنسو رلاتی ہیں، ذرا اس نظم کے چند شعر ملاحظہ کیجئے۔

ے کیا سوہنے شام سویرے سان کیہنیاں سوہنیاں دن تے راتاں سان
نظراں نال نظراں ہسدیاں سان اتے دل دیاں دل نال باتاں سان

ے ساہنوں گلاں کردیاں تک تک کے تاریاں دیاں نظراں بھوں گئیاں
ایہہ گلاں کدی نہیں مکنیاں سان اسی جاگدے رہے اوہ سوں گئیاں

ے اج مدت ہوئی موت ہتھوں مری جان چپ ہو کے بہہ گئی توں
سب گلاں خواب خیال ہویاں، اک خاک دی ڈھیری رہ گئی توں

ے پر دیکھ اس ڈھیری وچوں بھی اجے یاد تیری پئی تکدی اے
تینوں موت نے میتھوں کھوہ لیا ایس یاد نوں کھوہ نئیں سکدی اے

صوفی صاحب کے پنجابی دوہڑے بھی اپنی جگہ خاص اہمیت کے حامل ہیں، ان دوہڑوں میں پیار محبت کی طلب، فراق کی تڑپ اور محبوب کی نظرِ کرم کا تذکرہ ہے، ذرا اس دوہڑے کے چند شعر پڑھیئے اور فراق کی تڑپ کا اندازہ کیجئے۔

ے کیہہ پچھنا ایں کیہہ ہویا اے سجنا ایہہ کیویں سپنے وچھوڑے
انت نہ مکدی تڑپ دلاں دی اتے جیون دے دن تھوڑے

صوفی صاحب چونکہ غالب کے بہت معتقد تھے، چنانچہ غالب کی ایک فارسی غزل کا جو پنجابی ترجمہ کیا ہے، وہ بھی سحر پرور اور وجد انگیز ہے۔
مثلاً

ے میرے شوق دا نہیں اعتبار تینوں آجا ویکھ میرا انتظار آجا
اینویں لڑن بہانڑے بھنا ایں کیہہ توں سوچنا ایں ستمگار آجا
ایہہ رواج اے مسجداں مندراں دا اوتھے ہستیاں تے خود پرستیاں نیں
میخانے وچ مستیاں ای مستیاں نیں ہوش کر بن کے ہوشیار آجا

اس پنجابی غزل میں مشہور گلوکار غلام علی کی آواز نے دلکشی اور رعنائی بھر دی ہے۔

صوفی صاحب نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں پنجابی میں جو جنگی ترانے لکھے وُہ زبانِ زدِ عام ہیں۔ ہمارے مُلک کی نامور گلوکارہ ملکۂ ترنّم نورجہاں نے جس جذبے اور ذوق و شوق سے ان ترانوں کو گایا، وُہ انہی کا حصّہ ہے، صوفی صاحب مرحوم نے ان جنگی ترانوں کو لکھ کر ایک مجاہدانہ کردار ادا کیا ہے جو اُن کی حب الوطنی کا بیّن ثبوت ہے۔

زیرِ نظر کلیاتِ تبسّم میں صوفی صاحب کے تمام کلام کو یکجا کر دیا گیا ہے کیونکہ کلام کثیر تھا اور تین زبانوں فارسی، اُردو اور پنجابی میں تھا اس لئے کلیات کو تین حصوں یعنی فارسی، اُردو اور پنجابی کلام میں قارئین کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ مجھے اُمید واثق ہے کہ قارئین صوفی صاحب کے کلام کو قبولیّت کا شرف بخشیں گے اور میری اس ناچیز کوشش کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

مورخہ ۲۵ فروری ۱۹۸۹ء

مرتب
صوفی گلزار احمد

علامہ اقبال اور صوفی تبسم

صوفی تبسم کا اُس وقت بچپن کا زمانہ تھا جب علامہ اقبال شعر و سخن کی بلندیوں کو چھُو رہے تھے، چنانچہ طالب علمی کے زمانے ہی سے صوفی صاحب کو علامہ اقبال سے عقیدت ہو گئی تھی۔ صوفی صاحب کی عمر اُس وقت بارہ برس کی تھی جب انہوں نے پہلے پہل علامہ اقبال کا نام اپنے اُستاد قاضی حفیظ اللہ سے سُنا اور ۱۹۱۱ء میں پہلی مرتبہ لاہور میں انجمن حمایتِ اسلام کے جلسے میں علامہ اقبال کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، اس کا ذکر صوفی صاحب مرحوم نے اپنے ایک انٹرویو میں کیا[۱] ہے۔

"سب سے پہلے مَیں نے اُنہیں ۱۹۱۱ء میں حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں شعر پڑھتے سُنا۔ میرے والد مرحوم کو اس طرح کی محفلوں میں جانے کا بہت شوق ہوتا تھا، وہ ہر سال میلہ چراغاں کے موقع پر احباب کے ساتھ لاہور آجاتے تھے۔"

صوفی صاحب نے دوسری بار علامہ اقبال کو ۱۹۱۹ء میں امرتسر میں دیکھا جب وہ جلیانوالہ باغ کے سانحہ سے متعلق مُسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کے لئے آتے تھے، وہاں انہوں نے حکیم محمد اجمل خاں کی صدارت میں مندرجہ ذیل اشعار پڑھے۔

---

[۱] اقبال کے شب و روز — انٹرویو صوفی تبسم ریڈیو پاکستان لاہور میزبان ناصر قریشی

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند
قطرۂ نیساں ہے زندان صدف سے ارجمند
مشک اذفر چیز کیا ہے اک لہو کی بوند ہے
مشک بن جاتی ہے ہو کر نافۂ آہو میں بند
ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام و قفس سے بہرہ مند
"شہپر زاغ و زغن در بند قید و صید نیست
ایں سعادت قسمت شہباز و شاہین کردہ اند"

تیسری بار ۱۹۲۰ء میں اپنے اُستاد حکیم فیروز الدین طغرائی صاحب کے ساتھ امرتسر سے لاہور آتے اور علامہ کی محفل میں شریک ہوئے، اس محفل میں شفاء الملک حکیم فقیر محمد چشتی اور چند دوسرے احباب شریک تھے، صوفی صاحب مرحوم خوش گپیوں، پھبتیوں اور شعر و سخن کی اس محفل کا محض نظارہ کرتے رہے اس زمانے میں وہ خالصہ کالج امرتسر کے طالب علم تھے اور علامہ اقبال سے باقاعدہ متعارف نہ ہوئے تھے۔

صوفی صاحب اس کے بعد بھی اکثر انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں علامہ اقبال کے نیاز حاصل کرتے رہے، ۱۹۲۱ء میں انہوں نے ایف سی کالج لاہور میں داخلہ لیا اور نیازمندی کا یہ سلسلہ آگے بڑھا، ۱۹۲۳ء میں علامہ اقبال سے باقاعدہ ملاقات حافظ محمود شیرانی کے توسط سے ہوئی۔ اس ملاقات[1] کا تذکرہ بھی انہوں نے اپنے انٹرویو میں کیا ہے۔

"۲۳-۱۹۲۲ء کا واقعہ ہے کہ میرے مرحوم اُستاد حافظ محمود شیرانی مجھے اُن (علامہ اقبال) کے پاس لے گئے، اس وقت وہ میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں رہتے تھے، انہوں نے اس طرح

---

[1] اقبال کے شب و روز   انٹرویو صوفی تبسم ریڈیو پاکستان لاہور
میزبان ناصر قریشی

میرا تعارف کرایا کہ یہ میرا طالب علم ہے اور وہاں سے پھر ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہُوا، اس سلسلے کے بڑھنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میرے جو ہم جماعت اور دوست تھے، اُن میں ایک ڈاکٹر تاثیر تھے، ہم ایک دُوسرے سے پہلے آشنا تھے، جب میں لاہور میں آیا تھا تو غائبانہ تعارف تھا، کیونکہ ہم ایک دوسرے کے مضامین اور نظمیں پڑھتے تھے، پھر ہم مل کر ان (علامہ اقبال) کے ہاں جایا کرتے تھے۔"

یہ تو معلوم نہیں کہ صوفی صاحب کی علامہ اقبال سے خط و کتابت کب شروع ہوئی اور کب تک رہی، البتہ ستمبر ۱۹۲۵ء کے دو خط ہمارے سامنے ہیں اور ان خطوط کا ذکر صوفی صاحب نے اس کتاب میں بھی کیا ہے، یہ وہ زمانہ تھا جب صوفی صاحب کا علامہ اقبال سے باقاعدہ تعارف ہو چکا تھا، خود لکھتے ہیں۔

"اگرچہ میں فارغ التحصیل ہو کر لاہور سے اپنے وطن چلا گیا تھا تاہم اُن سے ملاقات کا اشتیاق ہمیشہ دامن گیر رہتا اور میں گاہے گاہے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اُن کی عالمانہ گفتگو سے استفادہ کرتا رہتا۔ [۱]

خطوط کا سلسلہ اس طرح شروع ہُوا کہ خواجہ احمد دین امرتسر کے مشہور عالم دین تھے اس زمانے میں امرتسر سے ایک دینی رسالہ "بلاغ" کے نام سے شائع ہونا شروع ہُوا جس کا بعد میں "البیان" نام پڑ گیا، خواجہ صاحب کے مضامین اور قرآن حکیم کی تفسیر اس میں شائع ہوتی تھی، علامہ اقبال اس رسالے کا باقاعدہ مطالعہ کرتے اور اس رسالے کے مضامین میں گہری دلچسپی لیتے تھے، چنانچہ علامہ اقبال خواجہ احمد دین امرتسری سے ملاقات کے متمنی تھے، صوفی صاحب رقمطراز ہیں!

"میری دلی خواہش تھی کہ ڈاکٹر صاحب اور خواجہ صاحب کی ملاقات ہو اور

---

[۱] راوی۔ مئی۔ جون ۱۹۳۸ء اقبال نمبر ص ۱۳۳ بعد ازاں یہ تحریر "بلاغ" امرتسر اگست ۱۹۳۸ء اور پھر "اقبال ریویو" جولائی ۱۹۷۴ء میں شائع ہوئی۔

دونوں بزرگوں نے خود بھی بارہا اس کے لئے انتہائی اشتیاق کا اظہار فرمایا لیکن یہ چیز ہمیشہ معرضِ التوا میں پڑی رہی، آخر کار ایک موقع آیا۔" ؎۱

خواجہ صاحب سے مُلاقات کا اشتیاق علامہ اقبال کے دونوں خطوط سے ظاہر ہوتا ہے جو انہوں نے ستمبر ۱۹۲۵ء میں یکے بعد دیگرے لکھے، ۲ ستمبر ۱۹۲۵ء کے خط میں لکھتے ہیں۔

"..... مولوی صاحب موصوف کو میرے ساتھ تبادلۂ خیالات کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، ہاں مجھ کو ان سے فائدہ پہنچنا یقینی ہے، اس واسطے وہ اگر مجھ کو مستفیض کرنے کے ارادہ سے امرتسر سے لاہور آنے کی زحمت گوارا فرمائیں تو اُن کی بہت مہربانی ہے جس کے لئے میں اُن کا نہایت شکر گزار ہُوں، مجھ کو ان کے خیالات سے کسی حد تک پہلے بھی آگہی ہے، کیا اچھا ہو کہ وُہ شریعت محمّدیہ پر ایک مبسوط کتاب تحریر فرمائیں جس میں عبادت و معاملات کے متعلق صرف قرآن سے استدلال کیا گیا ہو، معاملات کے متعلق خاص طور پر اس قسم کی کتاب کی آج کل شدید ضرورت ہے۔"

مولوی صاحب نے علامہ اقبال سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا تھا اور اس سلسلے میں انہوں نے لاہور آنے کا اِرادہ بھی کیا، صُوفی صاحب لکھتے ہیں!

"اس ضمن میں سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ تھی کہ مُلاقات سے پہلے دونوں بزرگوں نے زبانی اور تحریری طور پر نہایت عجز اور انکسار سے کام لیا، جیساکہ اس خط کے اندازِ بیان سے ظاہر ہے، ہر ایک اس بات پر زور دیتا کہ مُلاقات کا مقصد محض دوسرے سے استفادہ کرنا ہے اور بس۔" ؎۲

؎۱ راوی۔ مئی۔ جون ۱۹۳۸ء اقبال نمبر ص ۱۳۳ بعد ازاں یہ تحریر "بلاغ" امرتسر اگست ۱۹۳۸ء اور پھر "اقبال ریویو" جولائی ۱۹۷۴ء میں شائع ہوئی۔

؎۲ راوی مئی۔ جون ۱۹۳۸ء ص ۱۳۳

۶ ستمبر ۱۹۲۵ء کو علامہ اقبال نے صوفی صاحب کو دوسرا خط لکھا، اس میں استفادے کی خواہش کا پھر اظہار کیا۔

صوفی صاحب نے ان دونوں خطوط کا ذکر اپنی اس کتاب میں کیا ہے، صوفی صاحب کے علاوہ جن حضرات کے علامہ اقبال سے تعلقات استوار تھے اُن کی فہرست تو بہت طویل ہے البتہ اُن میں یہ حضرات خاص طور پر نمایاں ہیں، سید نذیر نیازی، ڈاکٹر تاثیر، رشید طارق، بدر الدین بدر، عبدالرحمٰن چغتائی، پطرس بخاری، عبدالمجید سالک، مولانا محمد حسین عرشی، خضر تمیمی، حفیظ ہوشیار پوری، سید الطاف حسین، سراج نظامی وغیرہ

صوفی صاحب کے علامہ سے تعلقات شوخی کی حد تک پہنچے ہوئے تھے، ڈاکٹر تاثیر بیان کرتے ہیں "صوفی تبسم ان چند دست دراز لوگوں میں سے تھے جو ڈاکٹر صاحب کے حقے پر ہاتھ ڈال دیا کرتے تھے[1] ایک دفعہ "بال جبریل" ابھی پریس میں تھی تو پطرس بخاری اس کے پروف لے آئے تھے، انہوں نے صوفی تبسم سے کہا کہ "چند بہترین طالب علموں کو جمع کرو ہم شعر پڑھیں گے، میں پروف لایا ہوں"، صوفی صاحب کا بیان ہے کہ ایک گھنٹہ انہوں نے شعر پڑھ کر سنائے تو اسی شام ہم علامہ کے ہاں پہنچ گئے "ہم نے کہا جی وہ شعر"۔۔۔ کہنے لگے "آپ کو اس کا کیسے پتا چلا، تو ہم نے کہا "جی آپ کو الہام ہوتا ہے تو ہمیں ان شعروں کا القا ہو جاتا ہے۔ عقیدت کی وجہ سے[2]

صوفی صاحب اکثر علامہ اقبال کی محفلوں میں شریک ہوتے رہے، ان کے ساتھ جو احباب اور شاگرد ہوا کرتے تھے، اُن میں خواجہ صاحب اور عرشی صاحب کے علاوہ ڈاکٹر تاثیر، سراج نظامی، عبدالرشید طارق، حفیظ ہوشیار پوری، سید الطاف حسین اور خضر تمیمی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

---

[1] اقبال کا فکر و فن از ڈاکٹر تاثیر مرتبہ افضل حق قریشی ص ۱۲۶

[2] ریڈیو انٹرویو

ایک ملاقات میں صوفی صاحب نے بابو کرم (جو پنجابی کے مشہور شاعر گزرے ہیں) کو تعارف کرایا، بابو کرم نے اپنی چند پنجابی کی نظمیں سنائیں جو ڈاکٹر صاحب نے پسند فرمائیں، عبدالرشید طارق نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ صوفی صاحب کے ساتھ ان محفلوں کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

ایک روز جب کہ میں، صوفی غلام مصطفےٰ تبسم اور بدر الدین بدر اور پنجابی کے مشہور شاعر بابو کرم اور سراج صاحب اور ایک اور دوست ان کے پاس بیٹھے تھے تو کانگریس اور مسلم لیگ کا تذکرہ چھڑا ع[۱]

صوفی صاحب علامہ کے حقّے پر ہاتھ ڈال دیا کرتے تھے، یہ بات ڈاکٹر تاثیر نے تو بیان کی ہے، خضر تمیمی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں!

"ہم میں سے ممدوح کے ساتھ حقّہ پینے کا شرف صرف صوفی صاحب قبلہ کو حاصل ہوا ع[۲]

حفیظ ہوشیار پوری لکھتے ہیں۔

"اس کے بعد دو تین مرتبہ پروفیسر تبسم کے ساتھ ایک دفعہ عرشی صاحب کے ساتھ اور اکثر تنہا ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا ..... ایک دفعہ عرشی صاحب اور تبسم صاحب کی معیت میں آپ کے پاس گیا تو ان مضمونوں اور نظموں کا ذکر چھڑ گیا جو آج کل اُردو کے عام رسالوں میں شائع ہوتی ہیں۔ ع[۳]

علامہ اقبال کے ساتھ صوفی تبسم کی محبت اور عقیدت کا سلسلہ جو زمانہ طالب علمی سے قائم ہوا تھا، قریباً اٹھارہ برس تک قائم رہا، ۱۹۳۲ء میں صوفی صاحب نے علامہ اقبال کی زندگی میں "علامہ اقبال کی شاعری" کے عنوان سے ایک طویل مقالہ تحریر کیا جسے علامہ اقبال

ع۱ "ممتے شبانہ" از عبدالرشید طارق ملفوظات مرتبہ محمود نظامی لاہور۔

ع۲ "اقبال کے ہاں" از خضر تمیمی۔ مشمولہ ملفوظات ص ۲۱۶

ع۳ عمر عزیز کے بہترین لمحے از حفیظ ہوشیار پوری ایضاً ص ۱۳۶

نے بہت سراہا، اسی سال اورینٹیل کالج میگزین لاہور (اگست ۱۹۳۲ء) میں صوفی صاحب
نے علامہ اقبال کے حکم کی تعمیل میں نصیرالدین ہاشمی کی کتاب "یورپ میں دکنی مخطوطات
پر تبصرہ تحریر کیا۔

علامہ اقبال کی وفات کے بعد تو صوفی صاحب نے علامہ اقبال کی شاعری اور فکروفن
کی تشریح اور ترویج کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیا، انہوں نے فارسی، اُردو، پنجابی
میں جتنا کچھ لکھا اس کا ایک تہائی اقبالیات پر مشتمل ہے، اپنی عمر کے آخری سال تو انہوں
نے صرف اقبالیات کے فروغ کے لئے وقف کر دیئے تھے، چنانچہ فروری ۱۹۷۶ء میں
صوفی صاحب کی انہی خدمات کے پیش نظر انہیں اقبال اکیڈمی کا وائس پریزیڈنٹ مقرر کر
دیا گیا اور تادم آخر وہ اس عہدے پر رہے، علامہ کی صدسالہ تقریبات کے سلسلے میں انہوں
نے اقبال اکادمی کے لئے بڑی محنت اور کاوش سے کام کیا، انٹرنیشنل کانگریس ۱۹۷۷ء
کے سلسلے میں بھی انہوں نے متعدد انتظامی کمیٹیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ان خدمات کے
اعتراف کے طور پر پنجاب یونیورسٹی نے انہیں ایک تمغہ پیش کیا۔ ۱۹۷۸ء میں پنشنرز ویلفیئر
ایسوسی ایشن لاہور نے علامہ اقبال پر بہترین کتب تحریر کرنے والے ادیب کے لئے علامہ اقبال
میڈل صوفی صاحب کو دیا، محکمہ اطلاعات پنجاب کی طرف سے اقبال میوزیم منعقدہ ۱۹۷۵ء
لاہور میں صوفی صاحب کی خدمات کو سراہا گیا اور انہیں مجسمہ اقبال پیش کیا گیا، مجلس انتظامیہ
یوم اقبال کراچی ۱۹۶۶ء نے صوفی صاحب کو ان کی خدمات کے سلسلے میں مجسمہ اقبال اور
تعریفی سند پیش کی۔ ۱۹۷۵ء میں جب صوفی صاحب پاکستان آرٹس کونسل کے چیئرمین بنائے
گئے تو پہلی بار یہاں ہفتہ وار اقبال لیکچر اور تنقیدی مجالس کا اہتمام ہوا، گویا اقبالیات کی
ترویج و ترقی کے سلسلے میں صوفی صاحب نے اَن تھک کام کیا، حتیٰ کہ اپنے سفرِ آخرت
(۷ فروری ۱۹۷۸ء) کے وقت بھی صوفی صاحب اقبال میموریل فنڈ کے سلسلے میں ٹیلی ویژن پر
قوم سے اپیل کرنے اسلام آباد گئے ہوتے تھے، واپسی پر لاہور ریلوے اسٹیشن پر انہوں نے

وفات پائی۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ رٰاجعون، علاّمہ اقبال کے سلسلے میں صوفی صاحب کی ان کاوشوں کو ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتے گا اور آئندہ علاّمہ اقبال پر کام کرنے والا محقق صوفی صاحب کی نگارشات سے رہبری اور رہنمائی حاصل کرے گا۔

اقبالیات کے ضمن میں صُوفی صاحب مرحوم کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ علاّمہ اقبال کے نام سے ۱۹۵۵ء میں صوفی صاحب نے ایرانی پروفیسر مجتبیٰ مینوی کی فارسی کتاب کا اُردو ترجمہ کیا جسے بزمِ اقبال لاہور نے شائع کیا۔ بزمِ اقبال لاہور نے اب اس کا دُوسرا ایڈیشن شائع کیا ہے۔

۲۔ تیر و نشتر کے نام سے صوفی صاحب نے علاّمہ اقبال کے سو فارسی اور سو اُردو اشعار کا انتخاب کیا اور ان اشعار کو صوفی صاحب نے اپنے ہاتھ سے تحریر کیا پیکیجز لمیٹڈ لاہور نے ان دونوں کتابوں کو صد سالہ جشنِ ولادت ۱۹۷۷ء کے موقع پر شائع کیا۔

۳۔ انتخابِ کلامِ اقبال (اُردو۔ فارسی) کے نام سے صوفی تبسم کا یہ انتخاب اقبال اکادمی لاہور نے ۱۹۷۷ء میں شائع کیا۔

۴۔ حرف و صَوت کے نام سے علاّمہ اقبال کے فارسی کلام کا انتخاب صوفی صاحب کا انتخاب کردہ ہے۔

۵۔ صد شعرِ اقبال، اقبال کا ایک شعر ریڈیو پاکستان لاہور سے صوفی صاحب کا ایک مسلسل پروگرام تھا جسے مرکزی اُردو بورڈ (اب اُردو سائنس بورڈ کہلاتا ہے) نے صد شعرِ اقبال کے نام سے ۱۹۷۷ء میں کتابی شکل میں شائع کیا۔ اب اس کا دُوسرا ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے۔ اُردو اشعار کی طرح فارسی اشعار کی شرح ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ صد شعرِ اقبال (اُردو) کو ادارۂ مُصنفین پاکستان لاہور نے ۱۹۸۰ء میں تین ہزار روپے کا انعام دیا۔

۶۔ نقشِ اقبال۔ اقبال کے فارسی کلام کا منظوم پنجابی ترجمہ ہے، یہ کتاب اقبال اکادمی لاہور نے ۱۹۷۷ء میں شائع کی۔

۔ سرا پردۂ افلاک ۔" جاوید نامہ" کا آزاد منظوم اُردو ترجمہ ہے اور بقول صوفی تبسّم اس آزاد ترجمے کے نظمی خط و خال تمثیلی منظر کے مزاج کے مطابق بدلتے چلے جاتے ہیں، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور نے یہ کتاب ۱۹۷۷ء میں شائع کی۔

۸ ۔ اقبال اور بچے (انتخاب) بچوں کے لئے اقبال کی نظموں کے اس انتخاب کو صوفی تبسّم نے ترتیب دیا، تصاویر عائشہ تسلیم نے بنائیں اور پیکیجز لمیٹڈ لاہور نے اس کتاب کو شائع کیا۔

۹ علاّمہ اقبال صوفی تبسّم کی نظر میں ۔ یہ کتاب ڈاکٹر نثار احمد قریشی پروفیسر شعبہ اُردو علاّمہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد نے مرتب کی ہے اور اقبال اکادمی لاہور نے اسے شائع کیا ہے۔

ترتیب

غزلیات

نظمیں

نظمیں جو امریکہ میں لکھی گئیں

قومی نظمیں

ملّی ترانے

تراجم (اقبال - غالب اور دیگر شعرا)

کچھ اور تراجم

فارسی کلام

پنجابی کلام

نعتاں ، ۴۹۵

نظماں

گیت

ترجمے

مستی ترانے

غیر مطبوعہ کلام (اُردو)

حمد و نعت

اے خوشا حرف کہ دَر مدحِ نبیؐ می گویم

حمد

کیونکر نہ زباں پر ہو تحمید و ثنا تیری
دل محوِ نوا تیرا جاں مدح سرا تیری

آوازِ انا الحق سے غافل ہوں تو کیونکر ہوں
ہر ایک سرِ مُو سے آتی ہے صدا تیری

پُھولوں کی مہک میں تُو انجم کی جھلک میں تُو
وہ رنگِ وفا تیرا یہ شانِ ادا تیری

کہسار و بیاباں میں گلشن میں خیاباں میں
خوشبو لیے پھرتی ہے ہر صبح صبا تیری

ظالم کی جفاؤں میں مظلوم کی آہوں میں
اندازِ جفا تیرا تصویرِ رضا تیری

یہ پردے میں چُھپنے کے انداز نرالے ہیں
ہر ذرّے کے دامن میں رقصاں ہے ضیا تیری

اِس شانِ تغافل سے گمراہ ہزاروں ہیں
جس شانِ تغافل کو کہتے ہیں ادا تیری

ہم سے بھی گنہ گاروں کو تیرا سہارا ہے
چھوڑے تو کرم تیرا پکڑے تو رضا تیری

نعت

وقارِ عظمتِ انساں ہُوا عیاں تجھ سے
جہانِ خاک سے اُبھرا ہے آسماں تجھ سے
لقب ہے سرورِ کونین کا تجھے زیبا
کہ اپنے بخت پہ نازاں ہیں دو جہاں تجھ سے
تمھی سے خستہ تنوں نے سکونِ دل پایا
نحیف جانوں کو حاصل ہوئی تواں تجھ سے
ہُوا وجودِ زماں تجھ سے ماورائے زماں
فضائے عالمِ امکاں تھی لامکاں تجھ سے
ہوئی ہے جنسِ اخوّت کی تجھ سے ارزانی
متاعِ حق و صداقت ہوئی گراں تجھ سے
تیرے ہی وصف سے رنگیں کلام ہے میرا
میرے قلم میں ہے یہ جرأتِ بیاں تجھ سے

نعت

خاکِ تیرہ کو نور تجھ سے ملا
جلوۂ بامِ طور تجھ سے ملا
سخت بے کیف تھی فضائے حیات
زندگی کا سرور تجھ سے ملا
راز پنہاں تھا راز کون و مکاں
اس خفا کو ظہور تجھ سے ملا
چشمِ روشن ہوئی بصیرت کی
دل کو ذوقِ حضور تجھ سے ملا
نبضِ انسانیت فسردہ تھی
زندگی کا شعور تجھ سے ملا
شمعِ ہستی بجھی بجھی سی تھی
شعلۂ ناصبور تجھ سے ملا

نعت

ہے فلک آستاں محمدؐ کا　　عرش پر ہے مکاں محمدؐ کا
ہے لقب اُن کا سرورِ کونینؐ　　یہ جہاں، وہ جہاں محمدؐ کا
یہ ستارے ہیں گردِ راہ اس کی　　جادہ ہے کہکشاں محمدؐ کا
ہم سے کیا ہو سکے تعریف　　ہے خدا مدّح خواں محمدؐ کا
جُھکتے ہیں سرو ہیں فرشتوں کے　　نام آئے جہاں محمدؐ کا
دل میں ہوتی ہے نُور کی بارش　　نام لے جب زباں محمدؐ کا
سب سے اُونچا مقام نبیوں میں　　سب سے اُونچا نشاں محمدؐ کا

ہے ہر اک زباں پہ نام اس کا
ذکر ہوتا ہے صبح و شام اس کا

اُس کی ہے ذات پر درُود و سلام
اُس کی ہر بات پر درُود و سلام

نعت

رخشندہ تیرے حُسن سے رُخسارِ یقیں ہے
تابندہ ترے عشق سے ایماں کی جبیں ہے
جس میں ہو ترا ذکر وہی بزم ہے رنگیں
جس میں ہو ترا نام وہی بزم حسیں ہے
ہر گام ترا ہمقدم گردشِ گردُوں
ہر جادہ ترا راہگزر خُلدِ بریں ہے
چمکی تھی جو کبھی ترے نقشِ کفِ پا سے
اب تک وہ زمیں چاند ستاروں کی زمیں ہے
جھکتا ہے تکبّر تری دہلیز پہ آکر
ہر شاہ تری راہ میں اِک خاک نشیں ہے
چمکا ہے تری ذات سے انساں کا مُقدّر
تو خاتمِ دوراں کا درخشندہ نگیں ہے

ہر قول ترا حسنِ صداقت کا ہے ضامن
ہر فعل ترا صدق و ارادت کا امیں ہے
آنکھوں میں ہے اس خُلقِ مجسّم کا تصوّر
اِک خُلدِ مسرّت مری نظروں کے قریں ہے
آیا ہے تیرا نام مبارک میرے لب پر
گرچہ یہ زباں اس کی سزاوار نہیں ہے

مطبوعہ مخزنِ نعت ــــ مرتبہ پروفیسر محمد اقبال

نعت

ہو کیسے فکرِ انساں کو یارا تیری مدحت کا
خدائے پاک ہی خود مدح خواں ہے تیری عظمت کا
زباں قائل صداقت کی عمل حامل امانت کا
یہ ادنیٰ معجزہ تھا تیرے آغازِ نبوت کا
جہانِ خاک تھا محروم سائے سے تیرے لیکن
رہا اہلِ جہاں کے سر پہ سایہ تیری رحمت کا
وہ خاکِ پاکِ یثرب وہ مقدس سرزمیں جس سے
جہانِ خاک کو رُتبہ ملا فردوسِ جنت کا
جھکاتے ہیں جبیں آکر جہاں علم و ہُنر والے
جہاں جھکتا ہے سر آکر شہنشاہوں کی شوکت کا
وہیں کی خاک کے آغوش میں انسانیت جاگی
وہیں چمکا ستارا نوعِ انساں کی شرافت کا
وہیں آیا مقابل حُسنِ معنیٰ حُسنِ صورت کے
نظر آیا جہانِ خاک کو جلوہ محبت کا

محبّت نے تمنّاؤں کو ذوقِ جستجو بخشا
یہ ذوقِ جستجو ہے ولولہ تجھ سے عقیدت کا
اِسی اک ولولے سے زندگی نے آبرو پائی
یہی اک ولولہ ہے نورِ ایماں تیری اُمت کا
بس اے زورِ قلم رُک جا کہاں تک یہ سخن رانی
نہ یارا شعر گوئی کا نہ دعویٰ علم و حکمت کا
یہی دو چار شعرِ نعت ہیں بس کائنات اپنی
یہی ہے اِک وسیلہ بے سہاروں کی سعادت کا
اُبھرتا ہے آنکھوں میں کبھی آنسو ندامت سے
ستارہ ہے یہی ہم سے گنہ گاروں کی قسمت کا

نعت

باغِ عالم کو ملا رنگِ بہاراں تجھ سے
بزمِ ہستی کا ہوا حُسن نمایاں تجھ سے

سربلند اور ہُوا دہر میں آدم کا وقار
ارجمند اور ہوئی عظمتِ انساں تجھ سے

وہ تگ و تاز کہ دی تیزیٔ دوراں کو شکست
وہ تب و تاب کہ سایہ تھا گریزاں تجھ سے

خفتِ عجز سے کفر اور نگوں سار ہُوا
استوار اور ہوئی سطوتِ ایماں تجھ سے

تجھ سے تاریک فضاؤں کو ملی کسوتِ نُور
ظلمتِ شام بنی صبحِ درخشاں تجھ سے

ناتوانوں نے توانائی کی ہمت پائی
دردمندوں کو ملا درد کا درماں تجھ سے

اہلِ زر کو ہوا احساس فرومائگی کا
ایسے پُر مایہ ہوا ہر تہی داماں تجھ سے

وسعتِ جُود و سخا دیکھ کے تیرا سائل
تھا تنک ظرفیِ دامن پہ پشیماں تجھ سے

نعت

ہر پردہ تھا اک جلوۂ عُریاں ترے آگے
ہر راز تھا اک حرفِ نمایاں ترے آگے

ہر شام نئے انجمِ تاباں ترے پیچھے
ہر صبح نیا روز درخشاں ترے آگے

سائے کو ترے فرصتِ جلوہ ہی کہاں تھی ۵
رقصاں تھا صدا سایۂ یزداں ترے آگے

یوں ذات تری غرقِ حیاتِ ابدی تھی
اک قطرہ سا تھا چشمۂ حیواں ترے آگے

اک آن میں طے مرحلۂ کون و مکاں تھا
کیا تنگ تھی یہ وسعتِ دوراں ترے آگے

چھپتا ہی رہا کفر ہمیشہ ترے آگے
جھکتی ہی رہی گردنِ عصیاں ترے آگے

افسُردہ ہوئیں تمکنتیں تاج وروں کی
شاہوں کے لرزتے رہے ایواں ترے آگے

جب راہِ ہدایت میں قدم تُو نے اُٹھایا
تھا کُفر و ضلالت کا بیاباں ترے آگے

کچھ ایسا اثر تھا تری اکسیر نظر میں
اُبھری وہیں اِک جنتِ ایماں ترے آگے

اِس بندۂ عاصی پہ بھی رحمت کی نظر کر
پھیلائے ہوئے آیا داماں، ترے آگے

نعت

فلک پر ہے غوغا ہمارے نبیؐ کا
زمیں پر ہے چرچا ہمارے نبیؐ کا

وہ ہوتے نہ پیدا ، تو ہوتی نہ دُنیا
یہ دُنیا ہے جلوہ ہمارے نبیؐ کا

نہیں کوئی ثانی فلک پر زمیں پر
ہمارے خدا کا ، ہمارے نبیؐ کا

ادب سے فرشتوں نے سر کو جھکایا
جہاں نام آیا ہمارے نبیؐ کا

کوئی بے نوا ہو، کوئی بادشہ ہو
ہے سب کو سہارا ہمارے نبیؐ کا

ہے عرش بریں اُن کے قدموں کے نیچے
وہ رُتبہ ہے اونچا ہمارے نبیؐ کا

نعت

ثنا خواں کس طرح ہو کوئی اُس محبوبِ یکتا کا
زباں میں یہ کہاں قدرت، قلم کو یہ کہاں یارا
وہ جس کے علم کی تفسیر "اَلَم نَشرَح لَکَ صَدرَکَ"
وہ جس کے اَوج کی تعبیر "سُبحَانَ الَّذِیْ اَسْریٰ"
وہ جس کے ہاتھ کی جنبش میں صد ضربِ کلیمی تھی
وہ جس کے آستیں میں تھے نہاں لاکھوں یدِ بیضا
محمدؐ ذات جس کی باعثِ تکوینِ عالم تھی
محمدؐ کارواں سالار ارواحِ مجرّد کا
جسے اُس روز درسِ مُصحفِ اسرار ازبر تھا
زبانِ عقلِ کُل جب وِرد کرتی تھی الف با کا
وہ جس کے رُوئے انوار میں جمالِ سرمدی پنہاں
وہ جس کی خُوئے اطہر میں جلالِ ایزدی پیدا

غرورِ خسروی جس کے وقارِ عزم سے لرزاں
حصارِ کفر جس کے زورِ ایماں سے تہ و بالا
جہانِ خاک نے جس سے فلک کی برتری پائی
وہ جس کے دم قدم سے اور اُبھرا عالمِ بالا
وہ جس کی اِک نظر نے صورتِ اہلِ جہاں بدلی
وہ جس کے ایک پرتو سے جہانِ خاک تھا زیبا
اُسی کے نور ہی سے اہلِ دل کا قلب ہے روشن
اُسی کے فیض سے اہلِ نظر کی چشم ہے بینا
اُسی کی ذات سے قائم ثباتِ عظمتِ انسان
اُسی کی ذات سے دائم حیاتِ ملّتِ بیضا
اُسی کی ذات، ہم سے بے سہاروں کا سہارا ہے
اُسی کی ذات کا ہم بے کسوں کے سر پہ سایا ہے

نعت

سمایا ہے نگاہوں میں رُخِ انورِ پیمبرؐ کا
اُٹھا دو جامِ جم، لے جاؤ آئینہ سکندر کا

وہ جس کے دم قدم سے عظمتِ انسانیت اُبھری
چمک اُٹھا ستارہ نوعِ انساں کے مقدّر کا

عبودیت میں جس کو تھا مقامِ عبدہٗ حاصل
سعادت میں جسے رُتبہ ملا محبوبِ داور کا

وہ جس کی آنکھ نے نظارۂ حق یوں کیا، گویا
نظر کے رُوبرو تھا عکس اپنے رُوئے انور کا

وہ جس کے فقر کے آگے نگوں سر تھی شہنشاہی
وہ جس کے بوریا پر سر جُھکا فغفور و قیصر کا

وہ قدموں کے نشاں میں جس کے تابش کہکشاں کی تھی
غبارِ رہ میں تھا جس کے سماں جنّت کے منظر کا

وہ مومن جس سے خود ایمان کی بُنیاد مُحکم ہو
وہ ہادی جس سے منصب ہو عطا راہرو کو رہبر کا
وہ جس کی ذات ہی تھی "احسن تقویم" کی غایت
وہ جس کا حُسن ہی خود آئینہ تھا حُسنِ داور کا
یہ حُسنِ خُلق، یہ لُطفِ نظر، یہ عفو، یہ بخشش
خراماں جس طرح کیفِ رواں تسنیم و کوثر کا
فروزاں ہو گیا خانہ مرا مدحت نگاری سے
کہ ہے نورِ شعاعِ آئینہ خورشیدِ انور کا
وہ اِک آنسو جو اُس کی یاد میں آنکھوں سے ٹپکا ہے
وہی آنسو ستارہ ہے مرے حُسنِ مقدّر کا
تبسّم مجھ سے عاصی کا یہی بس اِک سہارا ہے
کہ میں ادنیٰ گدا ہوں سرورِ کونینؐ کے در کا

نعت

اسی نعمت سے مسلمان ہے مسلمان اب تک
دل میں ہے یاد تری لب پہ ہے قرآں اب تک

تُو نے اس خاک کے پُتلے کو وہ بخشی ہے توانائی
اپنی اِس بخت کی عظمت پہ ہے نازاں اب تک

کیسا نُور اَبدی تھا، ترا نُورِ ایماں!
قلبِ مومن میں ہے اِک طُور فروزاں اب تک

اللہ اللہ ترے گُنبدِ خضرا کی بہار
ریگِ صحرائے مدینہ ہے گلستاں اب تک

اک کملی والا آیا

سر پہ رحمتِ حق کا سایہ
دامن میں ایمان کا سایہ
آنکھوں میں عرفان درخشاں
سینے میں قرآن

اک کملی والا آیا

نورِ صداقت رُوئے جبیں پر
نقشِ امانت لوحِ جبیں پر
دل میں ذوقِ یقیں اور لب پر
اللہ کا فرمان

اک کملی والا آیا

علم و ہنر کی دولت والے
عقل و دانش حکمت والے
سُن کے اس کی سادہ باتیں
سخت ہوئے حیران

اک کملی والا آیا

سلام

سلام اے شہِ والا، ہزار بار سلام

سلام

سلام اے شہِ والا ہزار بار سلام
وقارِ صدق و ارادت کے پاسدار سلام
اُصولِ حق و صداقت کے حق گزار سلام
سلام صاحبِ ایمان ذی وقار سلام

نہ کرسکی تجھے مرعوب سطوتِ شاہی ‌ ‌ ‌ شکست خُوردہ رہی تجھ سے نخوتِ شاہی
جہانِ فقر کے درویش تاجدار سلام

پکارتی ہے تجھے ارضِ کربلا اب تک ‌ ‌ ‌ ہے ذرّے ذرّے کے لب پر یہی دُعا اب تک
سلام اے شہِ والا ہزار بار سلام

یہ زیست خالقِ ہستی کی اک امانت ہے ‌ ‌ ‌ بدن میں گردشِ خوں جذبۂ شہادت ہے
رموزِ حرفِ شہادت کے رازدار سلام

ہر اک ذرہ ستارہ بنا دیا تُو نے ‌ ‌ ‌ زمین کو عرشِ نظارہ بنا دیا تُو نے
فضائے عشق کے اے ماہِ تابدار سلام

اَلم میں سینۂ صحرا ہے چاک چاک ابھی ‌ ‌ ‌ تڑپ رہی ہے تری یاد میں وہ خاک ابھی
ہے تازہ تری شہادت کی یادگار سلام

یہ جان ہی ہے فقط تیرے جاں نثار کے پاس ‌ ‌ ‌ یہی حقیر سا تحفہ ہے خاکسار کے پاس
فدا ہو تجھ پہ مری جانِ سوگوار سلام

سلام

فلک نے جھک کے کیا جس کی خاکِ پا کو سلام
مسافرانِ رہِ دشتِ کربلا کو سلام

رہِ وفا میں گئے منزلِ شہادت تک
اس ابتدائے سعادت کی انتہا کو سلام

اُبھر کے نوکِ سناں سے فضا میں لہرایا
سپاہِ عشق کے اس پرچمِ وفا کو سلام

خدا سے دشمنِ جاں کی بھی مغفرت چاہی
تری نماز تری عظمتِ دعا کو سلام

مری نگاہ بھی واں تک پہنچ نہیں سکتی
میں کس طرح سے کروں شاہِ کربلا کو سلام

وہ جس کے خون سے پھر شمعِ دیں ہوئی روشن
فروغِ دیدۂ محبوبِ کبریا کو سلام

سلام

بے نوا تھی زندگی ، ذوقِ نوا دے کر گیا
اِس فنا آمادہ ہستی کو بقا دے کر گیا

خاکِ تیرہ کو کیا اپنے لہو سے تابناک
ریت کے ذرّوں کو تاروں کی ضیا دے کر گیا

جان دی اور کُشتگانِ خنجرِ تسلیم کو
ایک تازہ زندگی کا آسرا دے کر گیا

منزلِ اوّل سے اُبھری منزلِ آخر کی نشان
ابتدا کو بھی مقامِ انتہا دے کر گیا

کس قدر تھا ظرفِ عالی، کیا قوی تھا حوصلہ
وقتِ آخر دشمنوں کو بھی دُعا دے کر گیا

حق پرستوں کو دیا حق کی کٹھن رہ کا سُراغ
جاں نثارانِ صداقت کو صدا دے کر گیا

راست گفتاری رہینِ سخت آزارے بود
در بُلندی نعرۂ حق صورتِ دارے بود

غزلیات

○

رہا کروٹیں ہی بدلتا زمانہ
وہی میں، وہی در، وہی آستانہ

وہی تو، وہی شانِ بے التفاتی
وہی میں، وہی جذبۂ والہانہ

ترے حُسن کی دلبری غیر فانی
مرے عشق کی بے کلی جاودانہ

یہی ہے جو ذوقِ اسیری تو اک دن
قفس کو بھی شرمائے گا آشیانہ

زباں تھک گئی داستاں کہتے کہتے
نگاہیں ابھی کہہ رہی ہیں فسانہ

٥

علاجِ دردِ دلِ سوگوار ہو نہ سکا
وہ غم نواز رہا، غم گسار ہو نہ سکا

بہت دکھائے نگہ نے طلسمِ رنگینی
خزاں پہ مجھ کو گمانِ بہار ہو نہ سکا

جنوں نے لاکھ کیا چاک جیب و داماں کو
یہ رازِ عشق مگر آشکار ہو نہ سکا

عطا کیا جسے تو نے غمِ محبّت دوست
وہ دل اسیرِ غمِ روزگار ہو نہ سکا

وہ مجھ پہ لطفِ مکرّر کے منتظر ہی سہی
یہ ذکر مجھ سے مگر بار بار ہو نہ سکا

○

محبت کس قدر سحر آفریں معلوم ہوتی ہے
کہ وہ جو بات کہ دیں دل نشیں معلوم ہوتی ہے

الٰہی کیوں اثر ہوتا نہیں ان بے وفاؤں پر
ہمیں تو بات اپنی دل نشیں معلوم ہوتی ہے

دلِ ناداں نے کھائے ہیں محبت میں فریب اتنے
کہ اس کافر کی ہاں بھی اب نہیں معلوم ہوتی ہے

ترے کوچے میں عالم ہے یہ اپنی خاکساری کا
نشانِ سجدہ میں پنہاں جبیں معلوم ہوتی ہے

فراغت اور قیامت کی فراغت ہم کو جنّت بھی
کسی کافر کے کوچے کی زمیں معلوم ہوتی ہے

تبسّم آ گیا اُن کے لبوں پر حالِ دل سُن کر
ہماری داستاں سحر آفریں معلوم ہوتی ہے

تبسّم کس کی جلوہ ریزیاں ہیں بزمِ امکاں میں
کہ ہر شے بے نگاہوں میں حسیں معلوم ہوتی ہے

O

وہ تھے پہلو میں اور تھی چاندنی رات
ہماری زندگی تھی بس وہی رات

عجب چشمک زنی تھی وصل کی رات
نظراں کی تھی اور تاروں بھری رات

نگاہِ مست اُن کی کہہ رہی ہے
کہیں ہوتی رہی ساقی گری رات

عبث ہے وعدۂ فردا تمھارا
مریضِ عشق کی ہے آخری رات

کسی نے وعدۂ فردا کیا ہے
ہمیں مر کر بسر کرنی پڑی رات

تبسّم سے کسی کے بن گئی تھی
مری خلوت سراپا چاندنی رات

○

نگاہیں در پہ لگی ہیں اُداس بیٹھے ہیں
کسی کے آنے کی ہم تیے کے آس بیٹھے ہیں

نظر اُٹھا کے کوئی ہم کو دیکھتا بھی نہیں
اگرچہ بزم میں سب رُوشناس بیٹھے ہیں

الٰہی کیا مری رخصت کا وقت آپہنچا
یہ چارہ ساز مرے کیوں اُداس بیٹھے ہیں

الٰہی کیوں تنِ مُردہ میں جاں نہیں آتی
وہ بے نقاب ہیں، تُربت کے پاس بیٹھے ہیں

O

مانا کہ جائیں ہم ترے در سے مگر کہاں
بے خانماں ہیں اپنے ٹھکانے کو گھر کہاں

اس نقشِ پا کو سجدے کیے جا رہا ہوں میں
لے جائے دیکھیے یہ ترا رہگزر کہاں

فُرقت نے تیری چھین لیا لُطفِ زندگی
وہ رات دن کہاں ہیں وہ شام و سحر کہاں

اُٹھتی ہے ہُوک سی دلِ اُمّیدوار میں
پڑتی ہے بزم میں تری ترچھی نظر کہاں

اِس حُسن کا اثر مری بے تابیوں سے پوچھ!
اے میرے بے خبر تجھے اپنی خبر کہاں

اس کے بغیر محفلِ رنداں اُداس ہے
دیکھو تو ہے تبسّمِ شوریدہ سر کہاں

○

اگر مرے درد میں کسی کی مسرّتوں کا ہے رازِ پنہاں
خدا سے میری یہ التجا ہے مری شبِ غم دراز کر دے

مٹا سکیں دل کی حسرتوں کو یہ حُسن کی بے حجابیاں کیا
جو جلوۂ آتشیں تمہارا نگاہ کو بھی گداز کر دے

یہاں کسی باوفا کا ملنا تلاش پر منحصر نہیں ہے
یہ بخت کا سب معاملہ ہے خدا جسے سرفراز کر دے

وہ جام صہبائے بیخودی دے، ہیں تیری ساقی گری کے قرباں
کہ میری سرمستیوں میں پیدا سرورِ ذوقِ نماز کر دے

غمِ محبت میں جلنے والے بتا تو اس وقت کیا کرے گا
یہ کوششِ ضبطِ راز ان کو اور بھی بے نیاز کر دے

یہ شوق افزا خموشِ خلوت، یہ جذبۂ التفات اُن کا
ہر آرزو مجھ سے کہہ رہی ہے کہ آج افشائے راز کر دے

O

کیا میری آرزو ہے مری التجا ہے کیا
سب حال آئنہ ہے مجھے پوچھتا ہے کیا
ہے تیری ذات محفلِ ہستی میں جلوہ گر
اور اس ظہور پر یہ خفا ماجرا ہے کیا
سر رکھ دیا ہے در پہ کسی بے نیاز کے
اے بے محل نیاز نزا مدّعا ہے کیا
فریاد دو جہان سے وہ محفل ہے پُرخروش
اس بارگاہِ ناز میں میری صدا ہے کیا
انجام زندگانی انسان کا موت ہے
گر انتہا یہی ہے تو یہ انتہا ہے کیا
رقصاں ہے کائنات میں سرمستی بہار
یہ وقت ناو نوش ہے ہاں دیکھتا ہے کیا
مدہوش ہوں کیفِ اُمیدِ وصال میں
اے کاش جانتا کہ کسی کی رضا ہے کیا
پہلو میں محوِ خواب ہے سرمایۂ سکوں
اس پر بھی بے قرار ہے دل ماجرا ہے کیا

ہے تیری ذات کافرِ مومن سے بے نیاز
تجھ کو کسی سے ترکِ وفا کا گِلا ہے کیا

دیکھی ہیں گرمیاں بھی شبستانِ وصل کی
ان میں سوزِ حسرتِ دل کے سوا ہے کیا

طاری ہے محویت سی لگا کر کسی سے دل
میں جانتا نہیں کہ جفا کیا وفا ہے کیا

کھُل جائے گا کسی نہ کسی دن یہ راز بھی
نیرنگیٔ طلسمِ فنا و بقا ہے کیا

اے دل نیا ہے آج ترا جوشِ اضطراب
رازِ حیات تو نے کسی سے سنا ہے کیا

اکسیر کی عبث ہے تجسّم تجھے تلاش
ذکرِ خدا سے بڑھ کے کوئی کیمیا ہے کیا

o

دوست آئے کہ کوئی دوست کا پیغام آئے
آئے جس طرح سے بیمار کو آرام آئے

خُم چھپائے ہُوئے بغلوں میں تہی جام آئے
ساقیا دیکھ ترے میکدہ آشام آئے

ابر چھایا ہے، ہوا مست ہے، گُلشن خاموش
کاش اس وقت وہ ہاتھوں میں لیے جام آئے

چھوڑ دے تا کہ میں اُٹھ جاؤں بھری محفل سے
ہمنشیں یاد مجھے وصل کے ایام آئے

شان ہے یہ بھی تری بزمِ طرب کی ساقی
کوئی بدمست ہو پی کر، کوئی ناکام آئے

اس کے کوچے سے مری نعش لیے جاتے ہیں
کوئی قاتل سے یہ کہہ دو کہ سرِ بام آئے

وہ بھی دن تھے کہ مری شام تھی صبحِ امّید
اب تو یہ حال ہے رو دیتا ہوں جب شام آئے

ہائے وہ وقت پتا پوچھ رہا ہو قاصد
اور یاں رشک سے لب پر نہ ترا نام آئے

آشناؤں میں تجھے حالِ دلِ زار اپنا
عبرت آموز ہے سُن لے کہ ترے کام آئے

جانتے خوب ہیں تقویٰ کو ترے اے زاہد
ابھی پی لے جو کوئی ساقیِ گلفام آئے

وعدۂ حُور پہ ہونا نہ تبسّم مسُرور
دیکھنا دل میں نہ ایسی ہوسِ خام آئے

○

تری محفل میں سوزِ جاودانی لے کے آیا ہوں
محبّت کی متاعِ غیر فانی لے کے آیا ہوں

میں آیا ہوں فسونِ جذبۂ دل آزمانے کو
نگاہِ شوق کی جادو بیانی لے کے آیا ہوں

میں آیا ہوں سنانے قصۂ غم سرد آہوں میں
ڈھلکتے آنسوؤں کی بے زبانی لے کے آیا ہوں

میں تحفہ لے کے آیا ہوں تمنّاؤں کے پھولوں کا
لٹانے کو بہارِ زندگانی لے کے آیا ہوں

بیاں جس کو کیا کرتی تھیں میری ناتواں نظریں
وہی دردِ محبّت کی کہانی لے کے آیا ہوں

اگرچہ عالمِ فانی کی ہر اک چیز فانی ہے
مگر میں ہوں کہ عشقِ جاودانی لے کے آیا ہوں

○

نظر کو حالِ دل کا ترجماں کہنا ہی پڑتا ہے
خموشی کو بھی اک طرزِ بیاں کہنا ہی پڑتا ہے

جہاں ہر گام پر سجدے ٹپکتے ہیں جبینوں سے
وہاں ہر نقشِ پا کو آستاں کہنا ہی پڑتا ہے

جہاں لب کوششِ اظہارِ مطلب کو ترستے ہیں
وہاں ہر سانس کو اک داستاں کہنا ہی پڑتا ہے

اگر قلب و نظر میں وسعتیں ہوں تیرے جلووں کی
خزاں کو بھی بہارِ جاوداں کہنا ہی پڑتا ہے

کہاں آسودگی دل کی، کہاں افسردگی لیکن
اسیری میں قفس کو آشیاں کہنا ہی پڑتا ہے

اِک ایسا بھی مقام آتا ہے بیدادِ محبت میں
کہ اُس نامہرباں کو مہرباں کہنا ہی پڑتا ہے

ہم اُن سے ماجرائے دردِ دل کہتے نہیں لیکن
بہ اندازِ حدیثِ دیگراں کہنا ہی پڑتا ہے

نہیں بے کار اُن کا اس طرح سے مسکرا دینا
تبسم کو بھی اک طرزِ بیاں کہنا ہی پڑتا ہے

○

ہوں گے آغوش میں وہ اور خُمِ صہبا ہوگا
میرا گھر وصل کی شب خُلد کا نقشہ ہوگا

تُو نے کھائی تو قسم ضبطِ محبّت کی مگر
وہ کہیں بزم میں آجائیں تو پھر کیا ہوگا

مضطرب ہو کے جو اُٹھتا ہے تری رہ کا غبار
کوئی بے تاب تہِ خاک تڑپتا ہوگا

حُسنِ گلزار ہے تحسین نگہ کا محتاج
آپ جس پھُول کو توڑیں وہی رعنا ہوگا

وحشت آموزِ تمنّا ہے تری خوئے حجاب
حُسن رسوا نہ سہی عِشق تو رُسوا ہوگا

ہم سمجھتے تھے تبسّم بھی کوئی صوفی ہے
کیا خبر تھی کہ وہ مے نوش بلا کا ہوگا

○

نگاہِ لُطف وہ مجھ پر وفا شعار کرے
جو ایک بار کہوں تو ہزار بار کرے

بنا رہے ہیں گلستاں میں طائرانِ بہار
وہ آشیاں کہ قفس کو بھی شرمسار کرے

نگاہِ ناز سے مستی بکھیرنے والے
تری نگاہ دو عالم کو میگسار کرے

جسے جہان میں سدا اشکبار رہنا ہو
ترے فسونِ تبسم کا اعتبار کرے

○

خرد مندی جنونِ عشق کا حاصل نہ بن جائے
یہ طوفانِ رواں تھم کر کہیں ساحل نہ بن جائے

نظر کی بے زبانی داستانِ دل نہ بن جائے
یہ خاموشی مری ہنگامۂ محفل نہ بن جائے

اُلجھ کر رہ نہ جائے کہکشاں ہی میں نظر میری
نشانِ جادۂ منزل، کہیں منزل نہ بن جائے

میں ہر دشواریٔ انجام کو آساں سمجھتا ہوں
یہ آسانی مری یارب کہیں مشکل نہ بن جائے

○

وصل فردوسِ چشم و گوش سہی
رُوح کو کس طرح قرار آئے

تم گلستانِ آرزو تو بنو
پھر خزاں آئے یا بہار آئے

وہ نہ سمجھے دلِ حزیں کی بات
اشک آنکھوں میں بار بار آئے

ہے زمانے میں اعتبارِ وفا
کاش تم کو بھی اعتبار آئے

○

تیرے دم سے ہیں غمکدے آباد
شاد باش اے غمِ محبّت شاد

ایک عالم ہے خانماں برباد
کیا فراواں ہے دولتِ بیداد

ہے وہی شانِ نخوتِ پرویز
وائے ناکامیٔ غمِ فرہاد

سرنگوں ہیں نواگرانِ قفس
اوج پر ہے ستارۂ صیّاد

تیرے عہدِ شباب سے ظالم
ہُوئیں لاکھوں جوانیاں برباد

ہیں تہی دست حسرتِ دیدار
شہر کا گوشہ گوشہ حُسن آباد

آہ کرتے جہاں نہیں بنتی
کیا سُنے گا وہاں کوئی فریاد

عشق گویند کارِ دشوار است
میکنم عشق ہرچہ بادا باد

پھر تبسم بہار کے دن آئے
پھر ستانے لگی کسی کی یاد

○

دن زندگی کے کیسے کٹیں گے بہار میں
تم اختیار میں ہو نہ دل اختیار میں

صبحِ وصال ہے نہ وہ اب شامِ انتظار
اب کیا رہا ہے گردشِ لیل و نہار میں

وہ نازنین ہے محوِ تماشائے صحنِ گُل
یا اور اک بہار کھلی ہے بہار میں

اِک میگسار جام بکف ایک تشنہ کام
کیا وسعتیں ہیں بخششِ پروردگار میں

دنیا سے بے خبر، غمِ دنیا سے بے نیاز
بیٹھا ہے کوئی سایۂ دیوارِ یار میں

جن کو تری وفا نے کیا سرفرازِ دہر
وہ کھو گئے ہجومِ غمِ روزگار میں

○

ہوتا تھا اثر کبھی فغاں کا
مُنھ دیکھ رہا ہوں آسماں کا

اے شوق نہ چھیڑ یہ فسانہ
رنگ اُڑنے لگا ہے رازداں کا

یہ غنچۂ نو شگفتہ کیا ہے
ٹوٹا ہُوا دل کسی جواں کا

میں اور جگر گدازیٔ ضبط
تُو اور اثر تری زباں کا

بلبل کی ترانہ ریزیوں میں
انداز ہے میری داستاں کا

اندوہِ شبِ فراق مت پوچھ
کیا حال تھا جانِ ناتواں کا

آنکھوں میں تھی شامِ غم کی صورت
تھا سامنا مرگِ ناگہاں کا

جب سے اُن کا وہ التفات نہیں
زندگی موت ہے حیات نہیں

میں گنہگار ہی سہی زاھد!
تجھ سے مومن کی بھی نجات نہیں

کیجیے آپ دُور کے وعدے
زندگی ہے تو کوئی بات نہیں

ہم نے مانا کہ عیب ہے نہیں
زُہد بھی خوبیٔ حیات نہیں

عشق کی داستاں سرِ محفل
یہ کوئی رازِ کائنات نہیں

لوگ کیوں اس پہ جان دیتے ہیں
زندگی کو اگر ثبات نہیں

زیرِ چرخ و سرِ زمیں نہ رہے مجھ کو کہتے ہیں تو کہیں نہ رہے

آج سجدوں کی انتہا کر دوں شوق مٹ جائے یا جبیں نہ رہے

ہم اُٹھائیں نہ گر ترے صدمے آسماں کے تلے زمیں نہ رہے

عشرتِ وصل کے ہوں ہم قائل آج یہ دل اگر حزیں نہ رہے

خاکساروں کا ذکر ہی کیا ہے اس زمیں پہ فلک نشیں نہ رہے

رہتی ہے کچھ روز اور بزمِ نشاط مگر افسوس خود ہمیں نہ رہے

اس نہیں نے مجھے کیا برباد کاش یہ آپ کی نہیں نہ رہے

جب سے دل بجھ گیا مرا مطرب
تیرے نغمے بھی دلنشیں نہ رہے

سب بے نیاز ہوں کوئی ناز آفریں نہ ہو
اے دل وہاں چلیں کہ جہاں یہ زمیں نہ ہو

کہتے ہیں ہم سُنیں گے ترے دل کی داستاں
لیکن یہ شرط ہے کہ وہ اندوہگیں نہ ہو

وہ انجمن، وہ انجمن ناز ہے جہاں
سنتے نہیں فغاں بھی اگر دل نشیں نہ ہو

مایوسیوں کو دیکھ مری، ہر نگاہ پر
ڈرتا ہوں میں کہ یہ نگہِ آخریں نہ ہو

میں کیوں شبِ درازِ الم کو بُرا کہوں
اس میں کسی کا رازِ مسرت کہیں نہ ہو

اپنے ہی دُکھڑے رونے کو ہمراز کوئی بن جاتا ہے
یاں ورنہ کون کسی دل کا دُکھ سہتا ہے غم کھاتا ہے

جب خواب میں ہوتی ہے دنیا اس وقت دلِ بیتاب مرا
اِک شعلہ سا بن جاتا ہے اور پہروں تک تڑپاتا ہے

تسکین سی پیدا کرتی ہے دونوں کی باہم ہمدردی
میں دل کو کچھ سمجھاتا ہوں دل مجھ کو کچھ سمجھاتا ہے

اے چارہ ساز مرے میری بیتابیوں پر حیران نہ ہو
میں اُس کو بھلاتا ہوں لیکن وہ رہ رہ کر یاد آتا ہے

شام اور سحر کی خاموشی میں سحر ہے کیا جادو ہے کیا
پہلو میں قلب اُچھلتا ہے اک شعلہ سا بن جاتا ہے

وہ آئیں گے بہرِ تسکیں جب وقت ملے گا فرصت کا
لیکن یاں قلبِ مضطر تو ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے

اس وقت تبسّم تڑپاتی ہے اہلِ وطن کی یاد مجھے
جب رات کی گہری خاموشی میں کوئی دیس سناتا ہے

✿

بہت مضطر بہت درد آشنا دل
عجب آفت کا ٹکڑا ہے مرا دل

وفا کیا اور وفا کا تذکرہ کیا
تمہارے سامنے جب رکھ دیا دل

یہ دل میں تو نے پیکاں رکھ دیا ہے
کہ دل میں رکھ دیا اک دوسرا دل

ہم اپنے دل کی حالت سُن کے روئے
ہمارا حال سُن کر رو دیا دل

یہ بجلی ہے کہ شعلہ ہے کہ سیماب
مرے آغوش میں ہے کیا بلا دل

ہر اک سے ہے وفا کی تم کو اُمّید
ہر اک دل کو سمجھتے ہو مرا دل

اسے جنبش نہیں ہوتی فغاں سے
خدا نے کیا بنایا ہے ترا دل

تبسّم ہے عجب دارُوئے بخت
میں ہنستا ہوں تو روتا ہے مرا دل

✿

لگانا دل کسی نا مہرباں سے
زمیں کی دوستی ہے آسماں سے
نظر آتے تھے تم تو بے زباں سے
یہ باتیں آ گئیں تم کو کہاں سے
نظر آتے ہیں وہ کچھ مہرباں سے
گرے گی کوئی بجلی آسماں سے
یہ ننگِ عجز ہے اک بار رکھ کر!
اٹھانا سر کسی کے آستاں سے
وصالِ جاودانی چاہتا ہوں
مگر وہ زندگی لاؤں کہاں سے
سُنا دوں داستانِ غم سُنا دوں
اگر تو سُن سکے میری زباں سے
انھیں باتوں سے جو بیتاب کر دے
الٰہی وہ زباں لاؤں کہاں سے
کریں کیا اُن سے اظہارِ محبت
وہ سن لیں گے ہمارے رازداں سے

○

ہو وصل کی شب یا شبِ فرقت نہیں جاتی
جاتی نہیں بے تابئ الفت نہیں جاتی

میخانے میں آکر بھی وہی توبہ کی تلقین
واعظ یہ تری وعظ کی عادت نہیں جاتی

یاں گردشِ ساغر ہے وہاں گردشِ دوراں
افلاک کی رندوں سے رقابت نہیں جاتی

ہر روز تبسم ہے تجھے ہجر کا رونا
کم بخت تری شومئ قسمت نہیں جاتی ۵

○

محبت سے جب آشنا ہو گئے ہم
نگہ کی کسی نے فنا ہو گئے ہم

ہے مرنا یہی موت کہتے ہیں اس کو
کہ دنیا میں تجھ سے جدا ہو گئے ہم

یہی انتہا ہے افتادگی کی
کہ مرکز تری خاکِ پا ہو گئے ہم

ازل سے ملا ہم کو وہ سازِ ہستی
کہ اک آہ میں بے صدا ہو گئے ہم

ملی رُوح کو اک نئی زندگانی
ترے عشق میں کیا سے کیا ہو گئے ہم

یہی دل تھا دنیا میں دولت ہماری
تمھیں دے دیا بے نوا ہو گئے ہم

تبسم ہے افسردگی کا یہ عالم
کہ سمجھے کوئی پارسا ہو گئے ہم

O

جان دے کر وفا میں نام کیا
زندگی بھر میں ایک کام کیا

بے نقاب آ گیا سرِ محفل
یار نے آج قتلِ عام کیا

آسماں بھی اسے ستا نہ سکا
تو نے جس دل کو شادکام کیا

عشق بازی تھا کام رندوں کا
تو نے اس خاص شے کو عام کیا

اب کے یونہی گزر گئی برسات
ہم نے خالی نہ ایک جام کیا

❁

تری بزم میں آنے سے اے ساقی چمکے میکدہ جامِ شراب چمکے
ذرّہ ذرّہ نظر آئے ماہ پارہ گوشہ گوشہ مثلِ آفتاب چمکے

میری جان یہ شان سبحان اللہ تیرا حُسن یوں زیرِ نقاب چمکے
جیسے شمع قندیل میں ہو روشن جیسے بادلوں میں ماہتاب چمکے

میخوار ہیں سارے اُداس بیٹھے سُونی پڑی ہے تیرے بغیر محفل
تو جو آئے تو ساغر و جام چھلکے تو پلائے تو رنگِ شراب چمکے

یہ شباب یہ حُسن یہ ناز کیا ہے اک نمود ہے عارضی زندگی کی
صحنِ باغ میں یونہی گلاب مہکے سطحِ آب پہ یونہی حباب چمکے

شبِ ہجر کی یاس انگیزیوں میں اُبھری اس طرح یادِ وصال تیری
جیسے شام کی دھندلی روشنی میں دُور اک موجِ سراب چمکے

لائے تاب اتنی چشمِ شوق کیونکر، دیکھے کون اس کے بے نقاب جلوے
جس کے رُوئے درخشاں پہ اے صوفی بڑھ کے زلف سے کہیں نقاب چمکے

○

بہکی بہکی سی جستجو میں آنکھ میں انتظار سا
آج یہ کس کی یاد میں حُسن ہے سوگوار سا

سہمے ہُوئے سے سانس میں آہ سی اک دبی ہوئی
لب پہ خفی سی لرزشیں بات میں اضطرار سا

لچکی ہوئی نزاکتیں اور بھی غم سے مضمحل
سمٹی ہوئی نگاہ میں اور بھی اختصار سا

شانِ غرور میں نہاں، رنگِ نیاز التجا
طرزِ ادا میں بے دلی، ناز میں انکسار سا

O

قائم تھی یوں تو درد کی محفل جگہ جگہ
ہم ہی سنا سکے نہ غمِ دل جگہ جگہ

طوفانِ موج خیز کے خوگر، سنبھل سنبھل!
حائل ہیں تیری راہ میں ساحل جگہ جگہ

دل ہر مقامِ شوق سے آگے نکل گیا
دامن کو کھینچتی رہی منزل جگہ جگہ

ہر نقشِ پا تھا میرے لیے تیرا آستان
آئی نظر مجھے تری محفل جگہ جگہ

شانِ کرم کو عذرِ طلب بھی تھا ناگوار
پھیلا کے ہاتھ رہ گیا سائل جگہ جگہ

ہر اک قدم پہ ٹھوکریں کھانے کے باوجود
کھائے فریبِ وعدۂ باطل جگہ جگہ

ہے جوشِ گریہ، موجِ تبسم سے ہم کنار
ہوتے ہیں حسن و عشق مقابل جگہ جگہ

○

یہ آج آئے ہیں کس اجنبی سے دیس میں ہم
ترس گئی ہے نظر چشمِ آشنا کے لیے

وہ ہاتھ جن سے تھا کل چاک دامنِ افلاک
وہ ہاتھ آج اٹھانے پڑے دُعا کے لیے

یہ میں نے مانا جدائی مرا مقدّر ہے
مگر یہ بات نہ منھ سے کہو خدا کے لیے

یہ آج کون خراماں اِدھر سے گزرا ہے
جبینِ شوق ہے بے تاب نقشِ پا کے لیے

یہ راہرو تھے کبھی راہِ زندگی کا سُراغ
یہ راہرو کہ بھٹکتے ہیں رہنما کے لیے

وہ ملے تو گویا یہ حال تھا کہ نہ تھا جدائی کا غم کبھی
وہ گئے تو ایسا گماں ہُوا کہ بہم ہوئے تھے نہ ہم کبھی
مجھے یاد ہے وہ سماں ابھی مری زندگی بھی تھی زندگی
تجھے یاد ہے مرے حال پر تھی تری نگاہِ کرم کبھی
تو ہی آ کے خلوتِ ناز سے انھیں عافیت کا پیام دے
کہ ترے بغیر نہ مٹ سکے گا فسادِ دیر و حرم کبھی

اٹھی جو آنکھ تو اس بام و در کو کھو بیٹھے
نظر ملی تو مقامِ نظر کو کھو بیٹھے
حدودِ زیست میں بھی مل سکی نہ منزلِ زیست
نہ جانے کونسی ہم راہ گزر کو کھو بیٹھے
کچھ اس طرح سے تری یاد چھن گئی ہم سے
سفر میں جیسے کوئی ہم سفر کو کھو بیٹھے

○

سو بار چمن مہکا سو بار بہار آئی
دنیا کی وہی رونق دل کی وہی تنہائی

اک لحظہ بہے آنسو اک لحظہ ہنسی آئی
سیکھے ہیں نئے دل نے اندازِ شکیبائی

اس موسمِ گُل ہی سے بہکے نہیں دیوانے
ساتھ ابرِ بہاراں کے وہ زُلف بھی لہرائی

ہر دردِ محبت سے اُلجھا ہے غمِ ہستی
کیا کیا ہمیں یاد آیا جب یاد تری آئی

چرکے وہ دیے دل کو محرومیٔ قسمت نے
اب ہجر بھی تنہائی اور وصل بھی تنہائی

جلووں کے تمنّائی جلووں کو ترستے ہیں
تسکین کو روئیں گے جلووں کے تمنّائی

دیکھے ہیں بہت ہم نے ہنگامے محبّت کے
آغاز بھی رسوائی انجام بھی رسوائی

دنیا ہی فقط میری حالت پہ نہیں چونکی
کچھ تیری بھی آنکھوں میں ہلکی سی چمک آئی

آنکھوں نے سمیٹے ہیں نظروں میں ترے جلوے
پھر بھی دلِ مضطر نے تسکین نہیں پائی

سمٹی ہوئی آہوں میں جو آگ سلگتی تھی
بہتے ہوئے اشکوں نے وہ آگ بھی بھڑکائی

یہ بزمِ محبّت ہے، اس بزمِ محبّت میں
دیوانے بھی شیدائی فرزانے بھی شیدائی

○

اس عالمِ ویراں میں کیا انجمن آرائی
دو روز کی محفل ہے اک عمر کی تنہائی

○ پھیلی ہیں فضاؤں میں اس طرح تری یادیں
جس سمت نظر اُٹھی آواز تری آئی

اک ناز بھرے دل میں یہ عشق کا ہنگامہ
اک گوشۂ خلوت میں یہ دشت کی پہنائی

اوروں کی محبت کے دُہرائے ہیں افسانے
بات اپنی محبت کی ہونٹوں پہ نہیں آئی

افسونِ تمنّا سے بیدار ہوئی آخر،
کچھ حُسن میں بے تابی کچھ عشق میں زیبائی

وہ مست نگاہیں ہیں یا وجد میں رقصاں ہے
تسنیم کی لہروں میں فردوس کی رعنائی

ان مدھ بھری آنکھوں میں کیا سحر تبسّم تھا
نظروں میں محبت کی دنیا ہی سمٹ آئی

○

روش روش پہ ترا انتظار ہے ساقی
بہار منتظرِ نو بہار ہے ساقی

حوادثات سے ٹکرا نہ جائے سازِ حیات
غمِ جہاں سے غمِ دل دو چار ہے ساقی

سحر فسردہ ہے، شام اُداس اُداس
عجیب گردشِ لیل و نہار ہے ساقی

ٹھہر گئے ہیں کہاں قافلے محبت کے
ہر ایک راہ گزر سوگوار ہے ساقی

دبی دبی سی ہے کچھ اس طرح سے جانِ حزیں
تری نگاہ بھی اب دل پہ بار ہے ساقی

نہ تری دید میسّر، نہ آرزو کا سُرور
نظر کو چین، نہ دل کو قرار ہے ساقی

ہمارے جذبۂ ذوقِ نظر کا کیا ہوگا
تری نگاہ تغافل شعار ہے ساقی

یہ سحر بارِ تبسّم، یہ خندہ ریز نگاہ
نظر کا نشہ ہے دل کا خمار ہے ساقی

○

ایسے بھی کٹے کچھ حالات — دل سے چھپائی دل کی بات

ہر اک نے اک بات کہی — کوئی نہ سمجھا دل کی بات

شام و سحر کا نام نہ تھا — ایسے بھی دیکھے دن اور رات

عشق کی بازی کیا کہیے — سوچ سمجھ کر کھائی مات

دل کے ہاتھوں ہم مجبور — دل کی لاج پرائے ہات

حسن کے تیور کیا کہنے — ہر لحظہ اک تازہ بات

اشکوں کا طوفان اُٹھا — غم میں ڈوب گئی برسات

تم بھی ضبط کرو ہم بھی — عشق ہے کس کے بس کی بات

سہمی سہمی سی وہ نگاہ — بدلے بدلے سے حالات

بھول گیا ہے سب کچھ دل — یاد آئی ہے کونسی بات

ایک تبسم اشک آلود
بھیگی بھیگی درد کی بات

O

شجر شجر نگراں ہے کلی کلی بیدار
نہ جانے کس کی نگاہوں کو ڈھونڈتی ہے بہار

کبھی فغاں بھی نشاط و طرب کا افسانہ
کبھی ہنسی بھی تڑپتے ہوئے دلوں کی پکار

نہ جانے کس کے نشانِ قدم سے ہیں محروم
کہ ایک عمر سے سُونے پڑے ہیں راہگزار

عجیب حال ہے بے تابئ محبت کا
شبِ وصال کی راحت میں ڈھونڈتی ہے قرار

یہ برقِ حُسن اور اس پہ یہ تیری خوئے حجاب
یہ سیلِ عشق اور اس پر نظر نظر کا شمار

کہیں جُدائی کے یہ صبح و شام بھی گزریں
گزرنے کو تو گزر ہی رہے ہیں لیل و نہار

ہزار بار کسی چشمِ آشنا کے طفیل
اُجڑ اُجڑ کے بسے ہیں مجنّنوں کے دیار

ابھی چمن کو میسّر نہیں ہے رنگِ چمن
بہار ڈھونڈ رہی ہے ابھی رنگِ بہار

ہے اُن کی پُرسشِ درد و الم میں بھی پنہاں
وہ اک کسک کہ سمجھتے نہیں جسے غمخوار

O

سخت افسردہ ہو گئے ہیں ہم
اے غمِ دوست ایک نگاہِ کرم

کون اُٹھ کر گیا ہے محفل سے
بزم کی بزم ہو گئی برہم

عشق نے یوں کہا افسانۂ درد
حُسن کی آنکھ بھی ہوئی پُر نم

نہ جُھکے گا یہ سر کسی در پر
مجھ کو تیرے ہی آستاں کی قسم

اپنی ناکام آرزوؤں کو
کس تمنّا سے دیکھتے ہیں ، ہم

کیسی کیسی خزاں سے گزرے ہیں
خوب گزرا بہار کا موسم

زندگی اور یہ غمِ پیہم !
زندگی ہے کہ زیست کا ماتم

کل ترستا تھا جس بہار کو دل
آج روٹھے ہیں اُس بہار پہ ہم

○

کاوشِ بیش و کم کی بات نہ کر　　چھوڑ دام و درم کی بات نہ کر

دیکھ کیا کر رہے ہیں اہلِ زمیں　　آسماں کے ستم کی بات نہ کر

اپنی آہ و فغاں کے سوز کو دیکھ　　ساز کے زیر و بم کی بات نہ کر

یوں بھی طوفانِ غم ہزاروں ہیں　　عشق کی چشمِ نم کی بات نہ کر

سخت اُلجھی ہیں زیست کی راہیں　　زلف کے پیچ و خم کی بات نہ کر

آج سود و زیاں کا سودا ہے　　آج دیر و حرم کی بات نہ کر

دیکھ فرہاد کی تنک نوشی　　وسعتِ جامِ جم کی بات نہ کر

ہم نے دیکھا ہے ظرفِ اہلِ کرم　　ہم سے اہلِ کرم کی بات نہ کر

شب کی رنگینیوں کا ذکر نہ چھیڑ　　حالتِ صبحدم کی بات نہ کر

آج مت چھیڑ غم کے افسانے　　آج اے دوست غم کی بات نہ کر

چھن نہ جائے ترا تبسّمِ لب
میرے درد و الم کی بات نہ کر

O

رسم و مہر و وفا کی بات کریں
پھر کسی دلربا کی بات کریں

سخت بیگانۂ حیات ہے دل
آؤ اس آشنا کی بات کریں

زُلف و رُخسار کے تصوّر میں
حُسن و ناز و ادا کی بات کریں

گیسوؤں کے فسانے دُہرائیں
اپنے بختِ رسا کی بات کریں

مدّعائے وفا کسے معلوم!
دلِ بے مدّعا کی بات کریں

کشتیٔ دل کا ناخدا دل ہے
کیوں کسی ناخدا کی بات کریں

بھول جائیں جہاں کے جَور و ستم
اپنی مہر و وفا کی بات کریں

ہم سے آزردہ ہے تبسّم دوست
اسی حُسنِ ادا کی بات کریں

○

تمنّاؤں کی دنیا جگمگائی
یہ کس رنگیں ادا کی یاد آئی

نگاہِ شوق کو رسوا کرے گی
تری جلووں کی شانِ خود نمائی

وہ طوفانِ ہوس تھا آرزو کا
کہ ناموسِ محبت ڈگمگائی

محبّت کی خموشی بھی فسانہ
محبّت کی فغاں بھی خوش نوائی

محبّت کا وہ سنگِ آستاں ہے
لرزتی ہے جبینِ پارسائی

ہنسی کیا آئی ان نازک لبوں پر
تبسّم ایک دنیا مسکرائی

○

افسانہ ہائے درد سناتے چلے گئے
خود روئے دوسروں کو رُلاتے چلے گئے

بھرتے رہے الم میں فسونِ طرب کا رنگ
ان تلخیوں میں زہر ملاتے چلے گئے

اپنے نیازِ شوق پہ تھا زندگی کو ناز
ہم زندگی کے ناز اُٹھاتے چلے گئے

ہر اپنی داستان کو کہا داستانِ غیر
یوں بھی کسی کا راز چھپاتے چلے گئے

میں جتنا ان کی یاد بھلاتا چلا گیا
وہ اور بھی قریب تر آتے چلے گئے

○

محبت کا کوئی نہیں ہے سہارا
محبت ہی دُکھ ہے محبت ہی چارا

ترے شوقِ منزل کی واماندگی ہے
نظر آ رہا ہے جو تجھ کو کنارا

یہ تیرا ہی فیضانِ غم ہے کہ میں نے
غمِ زندگی کر لیا ہے گوارا

فسونِ تمنّا کی سو داستانیں
نگاہِ کرم آمیز کا اک اشارا

مری زندگی کی بہار و خزاں کو
تمھیں نے بگاڑا تمھیں نے سنوارا

یہ کون آ گیا میری تنہائیوں میں
یہ کس نے شبِ غم میں مجھ کو پکارا

ترے حُسن کی دلنوازی سلامت
اِدھر بھی نگاہِ محبت خدا را

تبسم نے بھی جان دے دی تڑپ کر
کہاں تک جیے کوئی اُلفت کا مارا

O

آہوں کے نغمے اشکوں کے تارے
کتنے حسیں ہیں غم کے سہارے

چھوٹا سا اک دِل اُلفت کی دولت
کیا کوئی جیتے کیا کوئی ہارے

کیا جانیے یہ طوفانِ اُلفت،
کس کو ڈبوئے کس کو اُبھارے

کشتئ دل کا اللہ نگہبان
کیا کیا بھنور ہیں کیا کیا کنارے

دنیا کی ساری خوشیاں تمھاری
سارے جہاں کے دُکھڑے ہمارے

کیا ہو گیا ہے تم کو تبسّم!
رُکتے نہیں ہیں آنسو تمھارے

○

آہیں کھینچیں اشک بہائے
دل کا دُکھڑا کہا نہ جائے
غم کا اندھیرا توبہ توبہ
مٹ مٹ کر بڑھتے ہیں سائے
دل کا افسانہ ہی کیا ہے
بھولنے والا بھول نہ جائے
جو کچھ بھی میں کہنا چاہوں
تیرا نام زباں پر آئے
اک افسانہ کہتے کہتے
کتنے افسانے یاد آئے
رونے والا روتا رہتا
ہنسنے والے تاب نہ لائے
روتا ہے دن رات تبسم
جانے کس کی یاد ستائے

○

جب بھی دو آنسو نکل کر رہ گئے
درد کے عنواں بدل کر رہ گئے

کتنی فریادیں لبوں پر رُک گئیں
کتنے اشک آہوں میں ڈھل کر رہ گئے

رخ بدل جاتا مری تقدیر کا
آپ ہی تیور بدل کر رہ گئے

کھُل کے رونے کی تمنّا تھی ہمیں
ایک دو آنسو نکل کر رہ گئے

زندگی بھر ساتھ دینا تھا جنھیں
دو قدم ہمراہ چل کر رہ گئے

تیرے اندازِ تبسّم کا فسُوں
حادثے پہلو بدل کر رہ گئے

○

ہزار گردشِ شام و سحر سے گزرے ہیں
وہ قافلے جو تری رہگزر سے گزرے ہیں

ابھی ہوس کو میّسر نہیں دلوں کا گداز
ابھی یہ لوگ مقامِ نظر سے گزرے ہیں

ہر ایک نقش پہ تھا تیرے نقشِ پا کا گماں
قدم قدم پہ تری رہگزر سے گزرے ہیں

نہ جانے کونسی منزل پہ جا کے رُک جائیں
نظر کے قافلے دیوار و در سے گزرے ہیں

رحیلِ شوق سے لرزاں تھا زندگی کا شعور
نہ جانے کس لیے ہم بے خبر سے گزرے ہیں

کچھ اور پھیل گئیں درد کی کٹھن راہیں
غمِ فراق کے مارے جدھر سے گزرے ہیں

جہاں سُرور میسّر تھا جام و مے کے بغیر
وہ میکدے بھی ہماری نظر سے گزرے ہیں

○

سکونِ قلب و شکیب نظر کی بات کرو
گزر گئی ہے شبِ غم، سحر کی بات کرو

دلوں کا ذکر ہی کیا ہے، ملیں، ملیں، نہ ملیں
نظر ملاؤ نظر سے نظر کی بات کرو

شگفتہ ہو نہ سکے گی فضائے ارض و سما
کسی کی جلوہ گہِ بام و در کی بات کرو

حریمِ ناز کی خلوت میں دسترس ہے کسے
نظارہ ہائے سرِ رہگزر کی بات کرو

بدل نہ جائے کہیں التفاتِ حُسن کا رنگ
حلاوتِ نگہِ مختصر کی بات کرو

جہانِ ہوش و خرد کے معاملے ہیں دراز
کسی کے گیسوئے آشفتہ سر کی بات کرو

نگاہِ ناز ہے ایک کائناتِ راز و نیاز
جدھر کرے وہ اشارہ، ادھر کی بات کرو

سُرورِ زیست ہُوا جس کے دم قدم سے نصیب
اُسی ندیم، اُسی ہمسفر کی بات کرو

وہ جس سے تلخیِ زہرابِ غم گوارا ہے
اسی تبسمِ شیریں اثر کی بات کرو

یہ کیا کہ اِک جہان کو کرو وقفِ اضطراب
یہ کیا کہ ایک دل کو شکیبا نہ کر سکو

ایسا نہ ہو یہ درد بنے دردِ لادوا
ایسا نہ ہو کہ تم بھی مداوا نہ کر سکو

شاید تمھیں بھی چین نہ آئے مرے بغیر
شاید یہ بات تم بھی گوارا نہ کر سکو

کیا جانیے پھر ستم بھی میسّر ہو یا نہ ہو
کیا جانیے یہ کرم بھی کرو یا نہ کر سکو

اللہ کرے جہاں کو مری یاد بھول جائے
اللہ کرے کہ تم کبھی ایسا نہ کر سکو

میرے سوا کسی کی نہ ہو تم کو جستجو
میرے سوا کسی کی تمنّا نہ کر سکو

کیوں چاہتا ہے تم کو تبسم یہ ہے وہ راز
چاہو بھی تم اگر، کبھی افشا نہ کر سکو

○

جانے کس کی تھی خطا یاد نہیں　　ہم ہوئے کیسے جدا یاد نہیں
ایک شعلہ سا اُٹھا تھا دل میں　　جانے کس کی تھی صدا یاد نہیں
ایک نغمہ سا سُنا تھا میں نے　　کون تھا شعلہ نوا یاد نہیں
روز دہراتے تھے افسانۂ دل　　کس طرح بھول گیا یاد نہیں
اک فقط یاد ہے جانا اُن کا　　اور کچھ اس کے سوا یاد نہیں
تو مری جانِ تمنا تھی کبھی　　اے مری جانِ وفا یاد نہیں
ہم بھی تھے تیری طرح آوارہ　　کیا تجھے بادِ صبا یاد نہیں
ہم بھی تھے تیری نواؤں میں شریک　　طائرِ نغمہ سرا یاد نہیں

حالِ دل کیسے تبسم ہو بیاں
جانے کیا یاد ہے کیا یاد نہیں

⊙

صبحِ وطن ہے شامِ غریباں ترے بغیر
دنیا ہے کس قدر مری ویراں ترے بغیر

وہ درد جس سے دھر میں آسودگی ملی
وہ درد بن گیا غمِ دوراں ترے بغیر

رونا پڑا ہے حوصلۂ دید پر مجھے
دیکھی ہے میں نے صبحِ بہاراں ترے بغیر

پہلے ہر ایک خوابِ پریشاں تھا زندگی
اب زندگی ہے خوابِ پریشاں ترے بغیر

⊙

نہ طبیعتوں میں شگفتگی نہ دلوں کو اب وہ قرار ہے
مگر احترامِ چمن کرو کہ بہار پھر بھی بہار ہے
یہ طوافِ دَیر و حَرم نہیں کہ گزر ہو ایک ہی راہ سے
یہاں ہر قدم پہ ہیں منزلیں یہ کسی کی راہگزار ہے

○

خزاں سے اُبھرے فریبِ بہار میں ڈوبے
قدم قدم پہ غمِ روزگار میں ڈوبے

نہ جانے کتنے ستارے حسین خوابوں کے
چمک چمک کے شبِ انتظار میں ڈوبے

نہ جانے کتنے فسانے لطیف یادوں کے
حدیثِ گردشِ لیل و نہار میں ڈوبے

نہ جانے کتنے سفینے تلاشِ منزل میں
بھنور سے بچ کے سکونِ کنار میں ڈوبے

○

حُسن مجبورِ جفا ہے شاید
یہ بھی اک طرزِ ادا ہے شاید
ایک غمناک سی آتی ہے صدا
کوئی دل ٹوٹ رہا ہے شاید
خود فراموش ہُوا جاتا ہوں
تُو مجھے بھول گیا ہے شاید

○ ان حسیں چاند ستاروں میں کہیں
تیرا نقشِ کفِ پا ہے شاید
ایک دنیا سے ہُوئے بیگانے
تجھ سے ملنے کا صلا ہے شاید
ہر گھڑی اشک فشاں ہیں آنکھیں
یہی انجامِ وفا ہے شاید
ان لبوں پر یہ تبسّم کی ضیا
شوخیِ بختِ رسا ہے شاید

○

تیری نظروں کا فسوں، دشمنِ دیں ہے ساقی
ورنہ پینے میں کوئی بات نہیں ہے ساقی

جو ترے جام سے سرشار نہیں ہے ساقی
وہ بشر کون سی بستی کا مکیں ہے ساقی

اِس مۓ ناب سے کیا فائدہ، جب ساغر میں
جلوہ افروز تری چینِ جبیں ہے ساقی

ابھی باقی ہے الم ہائے فراواں کا خمار
ابھی ہلکی سی کسک دل کے قریں ہے ساقی

نظر اُٹھتی ہی نہیں ہے ترے میخانے سے
ورنہ دنیا کی ہر اک چیز حسیں ہے ساقی

بچ کے جائیں گے کہاں عالمِ بالا کے مکیں
آسماں بھی ترے کوچے کی زمیں ہے ساقی

آنکھ نے کھائے ہیں سو بار نظر کے دھوکے
دل بدستور محبت کا امیں ہے ساقی

فقط آنسو ہی نہیں حسنِ وفا کا زیور
یہ تبسم بھی محبت کا نگیں ہے ساقی

O

ابھی آغازِ الفت کا اثر آہ فغاں تک ہے
نہ جانے انتہائے شوق کی گرمی کہاں تک ہے

حریمِ کعبہ تک یا منزلِ کوئے بتاں تک ہے
خدا جانے جہانِ عشق کی وسعت کہاں تک ہے

نشاں ملتے ہیں ہر اک رہگزر میں جبہ سائی کے
سُراغ ان کا نہیں معلوم کس کے آستاں تک ہے

یہیں سے گر بھٹک جائیں تو فرماؤ کدھر جائیں
وہ جن کی زندگی کی راہ بزمِ دوستاں تک ہے

کسی کے نازنیں دل میں اُتر جائے تو کیا ہوگا
ابھی تو داستانِ دردِ غم میری زباں تک ہے

ہمیں تنہا نہیں ہیں میکدے میں بیٹھنے والے
رسائی حضرتِ واعظ کی بھی پیرِ مغاں تک ہے

○

جب کچھ کہنا چاہا دل سے ہُوک اُٹھی اور اشک بہے
تم ہی کہو اب غم کے دُکھڑے کون سُنے اور کون کہے

میری خاموشی پہ کیا کیا محفل میں کہرام مچا
پھر بھی تم نے بات نہ پوچھی، پھر بھی تم خاموش رہے

کیسے دن اور کیسی راتیں اب تو یہ دل کا عالم ہے
صبح ہُوئی تو آہیں کھینچیں، شام ہُوئی تو اشک بہے

بزم میں اہلِ درد کی حالت پوچھنے والا کوئی نہ تھا
یوں تو یاروں کی محفل میں درد کے چرچے عام رہے

اِک طوفان ہیں غم کے آنسو روکے سے کب رُکتے ہیں
قطرہ قطرہ ضبط کیا تھا دریا دریا پھوٹ بہے

جیون ہے اک روگ تبسم کس کو یہ معلوم نہیں
کون کسی کا غم کھائے، اب کون کسی کا درد سہے

O

سُنے قہقہے تو سُن لو یہ فغانِ چشمِ تر بھی
کہ ہے داستاں میں شامل یہ حدیثِ مختصر بھی

جو وہ دن گزر گیا تھا تو یہ رات بھی کٹے گی
کبھی شام آگئی تھی کبھی آئے گی سحر بھی

یہ عجیب رہ روی ہے کہ اُلجھ گئی ہیں راہیں
مجھے ڈر ہے کھو نہ جائے کہیں تیری رہگزر بھی

ترے حُسن سے شگفتہ ہوئیں مضمحل نگاہیں
جو سنور گئے نظارے تو سنور گئی نظر بھی

اسی کائنات ہی میں جہانِ دردمنداں
مرے ناظرِ دوعالم کبھی اک نظر ادھر بھی

○

نالۂ صبا تنہا ، پھول کی ہنسی تنہا
اس چمن کی دنیا میں ، ہے کلی کلی تنہا

رات دن کے ہنگامے ، ایک مہیب تنہائی
صبحِ زیست بھی تنہا ، شامِ زیست بھی تنہا

کون کس کا غم کھائے ، کون کس کو بہلائے
تیری بے کسی تنہا ، میری بے بسی تنہا

دیکھیے تو ہوتے ہیں سارے ہمقدم رہبر
کاٹیے تو کٹتی ہے راہِ زندگی تنہا

چارہ ساز ہو کر بھی ، حسن کے یہ تیور ہیں
درد سے تڑپتا ہے سوزِ عاشقی تنہا

❁

داستانِ غم ہم نے کہہ بھی دی، تو کیا ہوگا
اور بڑھ گئی دل کی بے کلی، تو کیا ہوگا

عمرِ رفتہ کے قصے دوستو نہ دُہراؤ
کوئی یادِ خوابیدہ جاگ اُٹھی، تو کیا ہوگا

زندگی تو اپنی ہے لُٹ گئی تو پھر کیا غم
غم تری امانت ہے چھن گئی تو کیا ہوگا

درد سے سنواری ہے رُوحِ زندگی ہم نے
درد کو نہ راس آئی زندگی تو کیا ہوگا

کبھی مقامِ نظر پہ ٹھہرے کبھی مقامِ نظر سے گزرے
نئی نئی منزلوں پہ پہنچے مگر اسی رہگزر سے گزرے

خرد رہِ عافیت پہ اٹکی، جنوں نے صحرا اچھال مارا
ہوس کو اب تک خبر نہیں ہے کدھر سے آئے کدھر سے گزرے

وہ نور جس سے کبھی تجلی تھی تیری یادوں کی خلوتوں میں
وہ نور سایوں سے جا کے لپٹا وہ سایۂ دیوار و در سے گزرے

ہزار دنیا نے رنگ بدلے ہزار آنکھوں نے کروٹیں لیں
جونہی تری یاد جگمگائی وہی نظارے نظر سے گزرے

کچھ ایسی سوئی ہوئی تھیں راہیں کہ رہروؤں کو بھی نیند آئی
کچھ ایسی کھوئی ہوئی تھی منزل کہ راہبر بے خبر سے گزرے

○

وفا کی آخری منزل بھی آ رہی ہے قریب
جو اس جگہ بھی نہ تُو مل سکے تو میرے نصیب

فغانِ حق و صداقت کا مرحلہ ہے عجیب
دبے تو بند و سلاسل اُٹھے تو دار و صلیب

ترے خیال کا مسکن چمن چمن کا سفر
مری وفا کا نشیمن فقط دیارِ حبیب

نظر سے بچ کے ملے ہیں وہ بارہا مجھ سے
ہزار بار ہُوا ہے یہ دل نظر کا رقیب

اُلجھ نہ جائیں کہیں اور دل کے افسانے
کہاں حدیثِ محبت، کہاں بیانِ خطیب

نہ جانے کونسی شے چشمِ غمگسار میں تھی
کہ جس کو دیکھ کے لرزاں ہُوا ہے دستِ طبیب

ابھی فسردہ ہے ساقی ترا تبسمِ لب
کسی کی یاد کو لے آؤ میکدے کے قریب

○

گردُوں سے، رازِ سینۂ دوراں سے آشنا — انساں نہ ہو سکا مگر انساں سے آشنا

اب کس سے پرسشِ غمِ جاناں نہ پوچھیے — اب ہو گئے ہیں دل غمِ دوراں سے آشنا

اب پردہ داریِ غمِ الفت نہیں رہی — اب چاک دل ہے چاکِ گریباں سے آشنا

جب تک تری نگاہ وفا آشنا رہی — دنیا نہ تھی مرے غمِ پنہاں سے آشنا

اب حُسن کو بھی عہدِ وفا کا ہُوا یقیں — اب کُفر بھی ہے جرأتِ ایماں سے آشنا

اب کس کو ہو گی دولتِ آسُودگی نصیب — اب کون ہو گا زلفِ پریشاں سے آشنا

موجِ بلا کی ٹھوکریں کھانے کے باوجود — ساحل نہ ہو سکا کبھی طوفاں سے آشنا

یہ دَور اگرچہ دورِ غمِ روزگار ہے — کچھ لوگ اب بھی ہیں غمِ جاناں سے آشنا

افسردہ آج اگر ہے تبسّم تو کیا ہُوا

وہ بھی کبھی تھا اک لبِ خنداں سے آشنا

O

جہاں نقشِ قدم پر نقشِ سجدہ کا گماں گزرے
محبّت میں کچھ ایسے بھی نظر سے آستاں گزرے
شبِ فُرقت جو کچھ اس دل پہ گزرے گی سو گزرے گی
کہیں ایسا نہ ہو یہ رات تم پر بھی گراں گزرے
وہ لمحے یاد جن کی زندگی کا آسرا بنتی
نہ جانے کس لیے دل پر وہی لمحے گراں گزرے
کوئی ایسی چمک جس سے دلوں کی تیرگی کم ہو
کوئی ایسی نظر جس پر محبّت کا گماں گزرے
یہ صحرا و بیاباں دو قدم ہیں راہِ اُلفت میں
خدا جانے سفر کی آخری ساعت کہاں گزرے
بہت گھبرا گئی ہے زندگی دنیا و عقبیٰ سے
کسی عنواں گزر جائے، یہاں گزرے وہاں گزرے
نظر کے سامنے اب تک وہی سنسان راہیں ہیں
گزرنے کو یہاں سے کیسے کیسے کارواں گزرے
کوئی طوفانِ درد اُٹھے کوئی سیلابِ اشک آئے
تبسّم اس طرح سے زندگی کیوں رائگاں گزرے

○

پھُول تو ہیں پھُول کانٹوں سے سنور جائے بہار
اب کے آئے تو ہر اک شے میں اُتر جائے بہار

اہتمامِ ہا و ہُو کر لو کہیں ایسا نہ ہو
صحنِ گلُشن سے دبے پاؤں گزر جائے بہار

گُل نہیں ہنستے تو کانٹوں سے لپٹ کر رویئے
کچھ تو ہو رنگِ چمن کچھ تو نکھر جائے بہار

ہر روش پر اک نئے دورِ خزاں کی اُلجھنیں
اب تمھیں کہ دو چمن والو کدھر جائے بہار

اُس نے دیکھے ہیں ابھی آغازِ گُل کے رنگ روپ
کچھ تو انجامِ چمن بھی دیکھ کر جائے بہار

○

نگہِ شوق سے کیوں حُسن ہوا ہے برہم
آؤ سب مل کے کریں ذوقِ نظر کا ماتم

اسی اغماض میں ہوتی ہے توجّہ پنہاں
اسی انداز سے ہوتی ہے محبّت محکم

تیرے ہوتے بھی ہُوئی ایک کمی سی محسوس
مجھ کو ان تیری کم آمیز نگاہوں کی قسم

میں نے مر مر کے بجھائی تھی تری یاد کی آگ
پھر بھی کچھ داغ سلگتے رہے مدھم مدھم

○

سایوں سے لپٹ رہے تھے سائے — دل پھر بھی فضا میں جگمگائے
بے صرفہ بھٹک رہی تھیں راہیں — ہم نورِ سحر کو ڈھونڈ لائے
یہ گردشِ روزگار کیا ہے — ہم شام و سحر کو دیکھ آئے
ہر صبح تری نظر کا پرتو — ہر شام تری بھووں کے سائے
ہے فصلِ بہار کا یہ دستور — جو آئے چمن میں مُسکرائے
کیا چیز ہے یہ فسانۂ دل — جب کہنے لگیں تو بھول جائے
تم ہی نہ سمجھ سکے مری بات — اب کس کی سمجھ میں بات آئے
سُونی رہی انتظار کی رات — اشکوں نے بہت دیے جلائے

وہ دن جو بہارِ زندگی تھے
وہ دن کبھی لوٹ کر نہ آئے

O

عشق بے تاب آرزو ہے ابھی

جانے کس شے کی جستجو ہے ابھی

سی لیا چاکِ جیب. داماں کو

چاکِ دل تشنۂ رفو ہے ابھی

ہر نفس ایک داستاں کہ دی

ہر نفس حرفِ آرزو ہے ابھی

یوں نہ ٹھکراؤ دردمندوں کو

دہر میں غم کی آبرو ہے ابھی

تجھ سے مل کر بھی میری جانِ وفا

تجھ سے ملنے کی آرزو ہے ابھی

نقش تھے جتنے ہو گئے اوجھل

اِک حسیں یاد روبرُو ہے ابھی

گل رُخوں کے حسیں تبسّم میں

وہی افسونِ رنگ و بُو ہے ابھی

○

وہ مجھ سے ہوئے ہم کلام اللہ اللہ
کہاں مَیں کہاں یہ مقام اللہ اللہ

یہ رُوئے درخشاں یہ زلفوں کے سائے
یہ ہنگامۂ صبح و شام اللہ اللہ

یہ جلووں کی تابانیوں کا تسلسل
یہ ذوقِ نظر کا دوام اللہ اللہ

وہ سہما ہُوا آنسوؤں کا تلاطُم
وہ آبِ رواں بے خرام اللہ اللہ

شبِ وصل کی ساعتیں مختصر سی
تمنّاؤں کا اِزدحام اللہ اللہ

وہ ضبطِ سُخن میں لبوں کی خموشی
نظر کا وہ لُطفِ کلام اللہ اللہ

○

ستم دیکھتے ہیں، کرم دیکھتے ہیں
محبت کے ہم زیر و بم دیکھتے ہیں

بہت سن چکے نعرۂ لن ترانی
اٹھا دو یہ پردہ کہ ہم دیکھتے ہیں

جبیں کو میسر کہاں سجدہ ریزی
ابھی تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں

ان الجھی ہوئی رہگزاروں میں بھی ہم
تری زلف کے پیچ و خم دیکھتے ہیں

مقاماتِ دیر و حرم سے گزر کر
تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں

فسونِ تبسم کا اعجاز دیکھو
تری آنکھ بھی آج نم دیکھتے ہیں

O

اشکوں سے شرر ٹپک رہے ہیں
یہ شعلے کہاں بھڑک رہے ہیں

ہے کس کی یہ رہگزر کہ ذرّے
تاروں سے سوا چمک رہے ہیں

مرجھانے لگی فراق کی رات
یادوں کے دیے سِسک رہے ہیں

نظروں نے تو کھو دیے نظارے
دل ہیں کہ ابھی دھڑک رہے ہیں

یوں بیٹھے ہیں ہم صفیر جیسے
صیّاد کی راہ تک رہے ہیں

گُلشن گُلشن تھی اپنی منزل
صحرا صحرا بھٹک رہے ہیں

آؤ کہ چمن کی سیر کر لیں
کچھ پھول ابھی مہک رہے ہیں

اُن آنکھوں کا یہ حسیں تبسّم
جلووں کے نگیں دمک رہے ہیں

○

رخسار و لب کی بات نہ زلف و کمر کی بات
رنگینیِ جمال ہے حُسنِ نظر کی بات

کیا کیا فسانہ ہائے تمنّا ہوئے دراز
کیا کیا بڑھی ہے زندگیِ مختصر کی بات

صُبحِ شبِ وصال ہو یا شامِ انتظار
آخر وہی ہے گردشِ شام و سحر کی بات

سایوں میں سو گئے ہیں شبستان کے خیال
اِک خواب سی ہے جلوہ گہِ بام و در کی بات

رہ رہ کے دردِ عشق کی آسودگی بڑھی
رہ رہ کے یاد آئی ہمیں چارہ گر کی بات

کیا پوچھتے ہو رہروِ منزل کی سرگزشت
کچھ راہزن کی بات ہے کچھ راہبر کی بات

ہم اپنے دل کی بات تبسّم نہ کہہ سکے
ہوتی رہی ہے یوں تو نظر سے نظر کی بات

○

کتنی جُدائیوں کے کھائے ہیں زخم دل پہ
کتنی محبتوں کے ماتم کیے ہیں ہم نے

فُرقت کے آنسوؤں سے آنکھوں کو سی لیا ہے
کیا کیا حسیں نظارے برہم کیے ہیں ہم نے

ہر داغ تازہ شعلہ بن کر بھڑک اُٹھا ہے
کتنے چراغ غم کے مدھم کیے ہیں ہم نے

دن اپنی زندگی کے پہلے ہی مختصر تھے
کچھ خود بھی کم ہوئے ہیں کچھ کم کیے ہیں ہم نے

O

کل وہ مستِ شباب نقاب اُلٹے محوِ سیر جو گل و گلزار میں تھی
ایک چمن گویا صحنِ چمن میں تھا اک بہار گویا نو بہار میں تھی

اب شباب کے دنوں کی بات کیسی اب وصال کی رات کا تذکرہ کیا
نہ وہ دن اپنے اختیار میں تھے نہ وہ رات اپنے اختیار میں تھی

وہی میں وہی آرزو میری وہی تو ہے وہی شباب لیکن
جانے کون کس نے ہم سے چھین لی ہے وہ بات اک جو لیل و نہار میں تھی

○

شگفتہ ہوتی ہے دل ہی سے زندگی کی بہار
جو مسکرائے اسی کا چمن اسی کی بہار

جہاں نہ خندۂ گُل ہو نہ نغمۂ بلبل
وہ بیکسوں کا چمن ہے وہ بیکسی کی بہار

وہ فصلِ گُل ہے کہ ہر کاخ و کُو کو مہکائے
یہ بات کیا کہ کسی کی خزاں کسی کی بہار

○

کیا ہوا جو ستارے چمکتے نہیں، داغ دل کے فروزاں کرو دوستو
صبحِ عشرت پریشاں ہوئی سو ہوئی شامِ غم تو نہ ویراں کرو دوستو

ناشناساؤں کی طرف غم خواریاں، غم کے ماروں کا سب سے بڑا روگ ہے
دردِ اُلفت کی چارہ گری ہو نہ ہو پہلے اس دُکھ کا درماں کرو دوستو

تلملاتی رہیں ہجر کی کلفتیں، جام و مینا کی سرمستیاں کیا ہوئیں
اب یہ مے بھی غموں کا مداوا نہیں اب کوئی اور ساماں کرو دوستو

میری اُلفت کی سُن سُن کے رسوائیاں لوگ کرتے ہیں آپس میں سرگوشیاں
تم اگر اتفاقاً سنو، چُپ رہو، مجھ پہ یہ ایک احساں کرو دوستو

⊙

کس نے غم کے جال بکھیرے
صبح اندھیرے شام سویرے
اِس دنیا میں کام نہ آئے
آنسو تیرے، آنسو میرے
رات کی کیفیت یاد آئی
شام ہوئی ہے صبح سویرے
حُسن کا دامن پھر بھی خالی،
عشق نے لاکھوں اشک بکھیرے
مجھ کو دنیا سے کیا مطلب
دل بھی میرا، تم بھی میرے
رنگیں رنگیں عشق کی راہیں
منزل منزل حُسن کے ڈیرے
آج تبسم سب کے لب پر
افسانے ہیں میرے تیرے

○

اس ضبطِ محبت نے آخر یہ حال کیا دیوانے کا
ہر آہ میں صورت شیون کی، ہر اشک میں رنگ افسانے کا

وہ سحر تھا چشمِ ساقی میں یا میخواروں کا جذبِ دروں
ہر چند بھرے ہیں جام و سبو، وہ رنگ نہیں میخانے کا

کچھ حسن و عشق میں فرق نہیں، یہ جانتے ہیں سب اہلِ نظر
تھا شمع کا بھی آغاز وہی، انجام ہے جو پروانے کا

ہوں اہلِ دیر کہ اہلِ حرم، سب پوجتے ہیں پوشیدہ صنم
دیکھو تو در و دیوارِ حرم، نقشہ ہے وہی بت خانے کا

اب کس سے تبسم راز کہے، اب مہر و وفا کا دور نہیں
اب دنیا کے وہ طور نہیں، اب اور ہے رنگ زمانے کا

O

زندگی کیا ہے اک سفر کے سوا

ایک دشوار، رہگزر کے سوا

کیا ملا تشنۂ محبت کو

ایک محروم سی نظر کے سوا

عشق کے درد کی دوا کیا ہے

سب سمجھتے ہیں چارہ گر کے سوا

کچھ نہیں غمگساریِ احباب

اہتمامِ غمِ دگر کے سوا

کتنی تنہا تھیں عقل کی راہیں

کوئی بھی تھا نہ چارہ گر کے سوا

دولتِ سجدہ ہو سکی نہ نصیب

اور بھی در تھے تیرے در کے سوا

کچھ نہیں ہے فسوں طرازیِ حسن

عشق کی شوخیٔ نظر کے سوا

⊙

داستاں شکوۂ بیداد تک آپہنچی ہے
پیار کی بات تھی فریاد تک آپہنچی ہے
اب نہ ہے فکرِ نشیمن نہ خیالِ پرواز
بات اب اُلفتِ صیّاد تک آپہنچی ہے
یاد کو تیری چھپانے کو بنائی تھی جو بات
بات وہ چل کے تری یاد تک آپہنچی ہے
تذکرہ جب بھی ہُوا ہے کہیں بربادی کا
داستاں اس دلِ برباد تک آپہنچی ہے
وہ خوشی جس نے دلِ زار کیا تھا ناشاد
وہ خوشی پھر دلِ ناشاد تک آپہنچی ہے
اب کہاں جائیں، ترے درد کے مارے اے دوست
کلفتِ زیست تری یاد تک آپہنچی ہے
جس تمنّا نے مجھے ضبط کی خُو بخشی تھی
وہ تمنّا لبِ فریاد تک آپہنچی ہے

○

بُجھ گئے سب اِدھر اُدھر کے چراغ
پھر بھی روشن ہیں چشمِ تر کے چراغ

کیوں لگاتے ہو حسرتوں کا سراغ
کیوں جلاتے ہو تم سحر کے چراغ

کون اُٹھ کر گیا ہے محفل سے
بُجھ گئے میرے بام و در کے چراغ

دل کی تاریکیاں نہ دُور ہوئیں
جگمگائے بہت نظر کے چراغ

شبِ ہجراں کا ساتھ کیا دیتے
سو گئے شامِ مختصر کے چراغ

نقش تھے میری جبہ سائی کے
بن گئے تیری رہگزر کے چراغ

پھر چراغاں ہُوا ہے داغوں کا
پھر فروزاں ہیں میرے گھر کے چراغ

کیا فسُوں تھا ترے تبسم کا
مسکرائے نظر نظر کے چراغ

○

چارہ گر کی، نہ غمگسار کی بات
اور ہے جانِ سوگوار کی بات

دل پہ ہوتا ہے اختیار کسے؟
چھوڑ دو دل پہ اختیار کی بات

تلخیٔ روزگار میں ڈوبی
کتنی شیریں تھی تیرے پیار کی بات

غم کی تاریکیوں میں ڈوب گئی
سایۂ گیسوئے نگار کی بات

زندگی رات دن کی گردش ہے
کچھ خزاں کی ہے کچھ بہار کی بات

ہو رہی ہے شبِ فراق دراز
چھوڑ دو شامِ انتظار کی بات

○

تُو نے کچھ بھی نہ کہا ہو جیسے
میرے ہی دل کی صدا ہو جیسے

یوں تری یاد سے جی گھبرایا
تُو مجھے بھُول گیا ہو جیسے

اس طرح تجھ سے کیے ہیں شکوے
مجھ کو اپنے سے گِلہ ہو جیسے

یوں ہر اک نقش پہ جُھکتی ہے جبیں
تیرا نقشِ کفِ پا ہو جیسے

تیرے ہونٹوں کی خفی سی لرزش
اِک حسیں شعر ہوا ہو جیسے

○

نظروں سے غبار چھٹ گئے ہیں
چہروں سے نقاب اُلٹ گئے ہیں

فرقت کے طویل راستے تھے
یادوں سے تری سمٹ گئے ہیں

جس رہ پہ پڑے ہیں تیرے سائے
اس راہ سے ہم پلٹ گئے ہیں

دن کیسے کٹھن تھے زندگی کے
کیا جانیے کیسے کٹ گئے ہیں

تقسیم ہوئے تھے کچھ نصیبے
کیا کہیے کہاں پہ بٹ گئے ہیں

اُبھرے تھے بھنور سے کچھ سفینے
کیا جانے کہاں اُلٹ گئے ہیں

O

وہ دامنِ ستم یونہی گرداننے رہے
ہم آپ اپنے دل کا کہا مانتے رہے

کوئی نہ مل سکا رہِ ہستی میں آشنا
ہم رہرؤوں کی صُورتیں پہچانتے رہے

تم نے غبارِ راہ سمجھ کر اُڑا دیا
ہم یونہی خاکِ کوئے وفا چھانتے رہے

ہم سے ہے بڑھ کے کون جہاں میں خدا پرست
ہم لوگ تو صنم کو خدا مانتے رہے

کچھ اشک ہائے گرم تھے کچھ خندہ ہائے سرد
ہم ہر ادائے حُسن کو پہچانتے رہے

اس کے سوا کچھ اور فریبِ وفا نہ تھا
آنکھوں نے جو بھی کہہ دیا دل مانتے رہے

○

غم نصیبوں کو کسی نے تو پکارا ہوگا
اِس بھری بزم میں کوئی تو ہمارا ہوگا

آج کس یاد سے چمکی تری چشمِ پُرنم
جانے یہ کس کے مقدّر کا ستارا ہوگا

جانے اب حُسن لُٹائے گا کہاں دولتِ درد
جانے اب کس کو غمِ عشق کا یارا ہوگا

ترے چُھپنے سے چُھپیں گی نہ ہماری یادیں
تو جہاں ہوگا وہیں ذکر ہمارا ہوگا

یُوں جدائی تو گوارا تھی، یہ معلوم نہ تھا
تجھ سے یُوں مل کے بچھڑنا بھی گوارا ہوگا

چھوڑ کر آئے تھے جب شہرِ تمنّا ہم لوگ
مدّتوں راہگذاروں نے پکارا ہوگا

ایک طوفان میں قریب آگئی اپنی منزل
ہم سمجھتے تھے بہت دُور کنارا ہوگا

مُسکراتا ہے تو اِک آہ نکل جاتی ہے
یہ تبسم بھی کوئی درد کا مارا ہوگا

○

نظر میں ڈھل کے اُبھرتے ہیں، دل کے افسانے
یہ اور بات ہے، دُنیا نظر نہ پہچانے

وہ بزم دیکھی ہے میری نگاہ نے کہ جہاں
بغیر شمع بھی جلتے رہے ہیں پروانے

یہ کیا بہار کا جوبن، یہ کیا نشاط کا رنگ
فسُردہ میکدے والے، اُداس میخانے

مرے ندیم! تری چشمِ التفات کی خیر
بگڑ بگڑ کے سنورتے گئے ہیں افسانے

یہ کس کی چشمِ فسُوں ساز کا کرشمہ ہے
کہ ٹوٹ کر بھی سلامت ہیں دِل کے بُتخانے

نگاہِ ناز میں دل سوزیٔ نیاز کہاں
یہ آشنائے نظر ہیں دِلوں سے بیگانے

میں تیرے شہرِ محبّت میں ہوں وہ بیگانہ
کہ آشنا بھی جسے دیکھ کر نہ پہچانے

وہ دیکھتے ہیں تبسّم مِرے لبوں کی ہنسی
جو میرے دل پہ گزرتی ہے، کوئی کیا جانے

O

تُو نہیں حُسنِ چارہ ساز تو ہے

تیری صورت نظر نواز تو ہے

تو اگر باوفا نہیں، نہ سہی

مجھ کو اپنی وفا پہ ناز تو ہے

خود فریبی سہی وفاداری

دل بہلنے کا ایک راز تو ہے

سایہ افگن نہیں وہ زُلف تو کیا

زندگی کی شبِ دراز تو ہے

کچھ نہیں داستانِ مہر و وفا

گرمیٔ حرفِ دلگداز تو ہے

کچھ نہ ہو اختلافِ دیر و حرم

کُفر و ایمان کا امتیاز تو ہے

یہ تبسم اگر نہیں صوفی

کیا ہوا رندِ پاکباز تو ہے

○

دل کو جب بے کلی نہیں ہوتی
زندگی ، زندگی نہیں ہوتی

جان پر کھیلتے ہیں اہلِ وفا
عاشقی دل لگی نہیں ہوتی

کیا کرو گے کسی کی دِلداری
تم سے تو دلبری نہیں ہوتی

موت کی دھمکیاں نہ دو مجھ کو
موت کیا زندگی نہیں ہوتی ؟

غور سے دیکھتا ہوں جب تم کو
میری ہستی مری نہیں ہوتی

عشق میں ہوشیاریاں بھی ہیں
محض وارفتگی نہیں ہوتی

توبہ کرتے ہیں اس لیے زاہد
ہم نے اس وقت پی نہیں ہوتی

عشق کی اشک ریزیوں کے بغیر
آبروِ حُسن کی نہیں ہوتی

اس کو مَیں بزم کس طرح کہہ دوں
جس میں صورت تری نہیں ہوتی

دِل نہ تبسم کسی کو دو پہلے
مُفت میں شاعری نہیں ہوتی

جھکی ہوئی ترے قدموں پہ یہ جبیں تھی کبھی
یہ رہ گذر مرے سجدوں کی سرزمیں تھی کبھی

بتا رہے ہیں دلِ غم زدہ کے افسانے
کسی کے حسن سے یہ زندگی حسیں تھی کبھی

یہیں سے سیکھے تھے آدابِ بندگی میں نے
یہیں جبیں تھی کبھی اور یہی زمیں تھی کبھی

نہ جانے کس نے مری آرزو کو لوٹ لیا
نگاہِ شوق میں یہ بے دلی نہیں تھی کبھی

ہجومِ یاس کی افسردگی میں یاد آیا
کہ اِک کسک سی دلِ زار کے قریں تھی کبھی

کدھر کو جائیں تبسم کہ چھن گئی ہم سے
وہ رہ گذر کہ ستاروں کی سرزمیں تھی کبھی

○

جن پہ ہیں تیری نظر کے سائے
اُن بہاروں پہ خزاں کیوں آئے
دُور ہیں اہلِ وفا کے مسکن
دل کی آواز کہاں تک جائے
آج ہر بات سے جی گھبرایا
آج ہر بات سے وہ یاد آئے
کل تھی جس بات سے دل کو تسکیں
آج اس بات سے جی گھبرائے
دلِ غمگیں میں اُمیدوں کا ہجوم
ڈوبتی شام کے لمبے سائے
کھو کے دُنیا کو تجھے پایا ہے
تجھ کو کھو دے تو کوئی کیا پائے
ایسے تیور نہ بدلنا اے دوست!
دیکھ کر تجھ کو نظر پچھتائے
تیری یادوں کی کڑی دیواریں
کون اس شہر سے باہر جائے

○

اُٹھی ہے جو قدموں سے وہ دامن سے اَڑی ہے
کیا کیا نگۂ شوق پہ زنجیر پڑی ہے

وہ یاس کا عالم ہے کہ ہر ایک نظر پر
محسوس یہ ہوتا ہے جدائی کی گھڑی ہے

یوں دیکھیے تو مرحلۂ شوق ہے یک گام
چلیے تو یہی ایک قدم راہ کڑی ہے

ہر ایک قدم پر ہے کسی یاد کا سایہ
ہر راہ گزر میں کوئی دیوار کھڑی ہے

ہر غنچے کے چہرے سے اُبھرتے ہیں ترے نقش
ہر گُل میں ترے حُسن کی تصویر جڑی ہے

کھیلی تھی کبھی حُسن سے تیرے نگۂ شوق
اِتنا ہے تجھے یاد، یہی بات بڑی ہے

ناصح تری باتوں سے کٹی ہجر کی یہ شام
اِک اور فسانہ کہ ابھی رات پڑی ہے

کیا جانیے کیا تھا ترا اندازِ تبسم
ہر دیکھنے والے کی نظر مجھ پہ پڑی ہے

○

تم کو بھی شاید کسی منزل کا مل جائے سراغ
دو قدم چل کر کبھی دیکھو تو دیوانے کے ساتھ

ہر نظر پر ٹوٹ جاتا ہے کوئی تازہ طلسم
ہر حقیقت ہوتی ہے وابستہ افسانے کے ساتھ

کوئی دیوانہ کوئی فرزانہ دُنیا کے لیے
اور یہ دُنیا نہ دیوانے نہ فرزانے کے ساتھ

شمع کو ہر شام مل جاتی ہے تازہ زندگی
ہم سمجھتے ہیں کہ جل بجھتی ہے پروانے کے ساتھ

اِس طرح ملتے ہیں تیری رہ گزر میں آشنا
ہم سفر جیسے کوئی بیگانہ بیگانے کے ساتھ

ہم کو ہو سکتا ہے کیا دُنیا کے فرزانوں سے ربط
عمر تو ہم نے گزاری دل دیوانے کے ساتھ

○

آنکھیں کھُلی تھیں سب کی کوئی دیکھتا نہ تھا
اپنے سِوا کسی کا کوئی آشنا نہ تھا

یوں کھو گیا تھا حُسن ، ہجومِ نگاہ میں
اہلِ نظر کو اپنی نظر کا پتا نہ تھا

دُھندلا گئے تھے نقشِ محبت کچھ اس طرح
پہچانتی تھی آنکھ تو دل مانتا نہ تھا

تم پاس تھے ، تمھیں تو ہوئی ہوگی کچھ خبر
اتنا تو اپنا شیشۂ دل بے صدا نہ تھا

کچھ لوگ تھے جنھیں یہ سعادت ہوئی نصیب
ورنہ یہاں کسے سرِ مہر و وفا نہ تھا

ہر سمت ہو رہا تھا اندھیروں کا اژدہام
شب کٹ چکی تھی اور سویرا ہوا نہ تھا

کیا کیا فراغتیں تھیں تبسّم ہمیں کہ جب
دل پر کسی کی یاد کا سایہ پڑا نہ تھا

○

ہر ایک نقش ترے پاؤں کے نشاں سا ہے
ہر ایک راہگزر تیرا آستاں سا ہے

کہیں سمٹ کے نہ رہ جائے ہمتِ پرواز
کہ شاخ شاخ پہ پنہاں اِک آشیاں سا ہے

ابھی گلوں کی نظر سے نظر نہیں ملتی
ابھی فضائے چمن میں دُھواں دُھواں سا ہے

نہ جانے شوق کی وہ رات کٹ گئی کیسے ؟
ہر ایک لمحۂ ہجراں عمرِ جاوداں سا ہے

اُجڑ گئی ہے مِری کائناتِ دل، پھر بھی
مِری نگاہ میں آباد اِک جہاں سا ہے

زباں پہ نام بھی آتا ہے تیرا رُک رُک کر
ہر ایک تارِ نفس دِل کا پاسباں سا ہے

یہ کس نے آج جگائی ہے عہدِ رفتہ کی یاد
یہ کون دل کے قریں آج نوحہ خواں سا ہے

لگے ہیں دل سے اُبھرنے وفا کے افسانے
کہ اپنے حال پہ پھر کوئی مہرباں سا ہے

○

ایک آنسو سا مچلتا سرِ مژگاں کیوں ہے
غمِ جاناں میں یہ رنگِ غمِ دوراں کیوں ہے؟
ایک جلوہ تو سمیٹا نہیں جاتا اس سے
شوق کو پھر گلۂ تنگیٔ داماں کیوں ہے؟
مجھ کو معلوم ہے سب رازِ پریشانی کا
وہ مرے حالِ پریشاں سے پریشاں کیوں ہے؟
جس طرف دیکھیے آباد ہے اِک ہنگامہ
اِک یہی شہرِ تمنّاؤں کا ویراں کیوں ہے؟
صورتِ شعلہ ہر اک سمت بھڑکتے ہیں ایاغ
ساغرِ دل ہی چراغِ تہِ داماں کیوں ہے؟
تُو ہے اک سایہ مرا، میں ہوں ترا اِک سایہ
آدمی اپنے ہی سائے سے گریزاں کیوں ہے؟
ہم گلستاں ہیں تو پھر کیسا خزاں کا سایہ
ہم بہاراں ہیں تو یہ رنگِ گلستاں کیوں ہے؟
جانے کتنوں کو رُلایا ہے تبسّم تُو نے
آج خود رونا پڑا ہے تو پریشاں کیوں ہے؟

○

خاموشئ کلام ہو گئی ہے
کیا حُسنِ پیام ہو گئی ہے

اب چھوڑ دو تذکرہ وفا کا
یہ بات بھی عام ہو گئی ہے

یاد آئی سحر کو رات کی بات
اک آن میں شام ہو گئی ہے

اب پُوچھ نہ چشمِ شوق کا حال
ٹُوٹا ہُوا جام ہو گئی ہے

جس شے پہ پڑی ہیں تیری نظریں
کیا عالی مقام ہو گئی ہے

لائی ہے نسیم کس کا پیغام
کیوں تیز خرام ہو گئی ہے

○

دِل کو آئے کہ نگاہوں کو یقیں آ جائے
کسی عنواں تو کوئی مِرے قریں آ جائے

بکھرے رہنے دو سرِ راہ نشانِ کفِ پا
جانے کس دم کوئی آوارہ جبیں آ جائے

سنتے جاؤ میرا بے ربط فسانہ شاید
انہی باتوں میں کوئی بات حسیں آ جائے

اور پھر اس کے سوا سحرِ محبّت کیا ہے؟
یک بیک جیسے کوئی دل کے قریں آ جائے

جام کیا چیز ہے مَے خانہ اُڑاؤ یارو!
جانے کس دم لبِ ساقی پہ "نہیں" آ جائے

وہ تری یاد کا پرتَو ہو کہ ہو سایۂ زُلف
چین آ جائے طبیعت کو کہیں آ جائے

○

بجھی بجھی سی ستاروں کی روشنی ہے ابھی
یہ رات کس کے اشاروں کو ڈھونڈتی ہے ابھی

نہ جانے میری نظر ہی نہیں ہے جلوہ شناس
نہ جانے تیرے ہی جلووں میں کچھ کمی ہے ابھی

کچھ ایسے گونجتی ہے دل میں عہدِ رفتہ کی یاد
کہ جیسے تو نے کوئی بات مجھ سے کی ہے ابھی

کسی کے حسن سے کھیلی ہیں عمر بھر آنکھیں
یہ لگ رہا ہے نظر سے نظر ملی ہے ابھی

ہزار قافلے منزل پہ جا کے لوٹ آئے
مری نگاہ تری راہ ڈھونڈتی ہے ابھی

سنبھل تو جائے طبیعت مگر ستم یہ ہے
کہ اس کے بعد بھی اک اور زندگی ہے ابھی

○

نہ کر سکیں انھیں برسوں کی آندھیاں مدھم
یہ کون چھوڑ گیا لوحِ دل پہ نقشِ قدم

ہزار دَورِ خزاں سے گزر کے آئے ہیں
عجیب رنگ سے گزرا بہار کا موسم

ابھی ہے چاند ستاروں کی روشنی مدھم
ابھی ہے شام کے چہرے پہ پَرتوِ شبِ غم

گزرنا ہو گیا دشوار رہگزاروں سے
یہ کس کے پاؤں کی آہٹ کو سُن رہے ہیں ہم

ستارے بن کے مژہ پر چمک اُٹھے آنسو
بلند ہو کے رہا تیری یاد کا پرچم

یہ کس کی یاد میں ہم آج مسکرائے ہیں
جہان بھر کا تبسّم مزاج ہے برہم

○

لے کے چلا ہوں تابِ نظارہ نظر کے ساتھ
کچھ زادِ رہ بھی چاہیئے عزم سفر کے ساتھ

آزاد تو ہوئے ہیں اسیرانِ ہم صفیر
لیکن قفس کے تنکے لیے بال و پر کے ساتھ

ہر مرحلے پہ اِک نئی منزل ہے سامنے
چلتا ہوں ہر قدم پہ نئے راہبر کے ساتھ

حسرت سے آنکھ دیکھنے والے نے پھیر لی
نظریں لپٹ کے رہ گئیں دیوار و دَر کے ساتھ

ذوقِ نظارہ ، عیشِ تمنّا ، نشاطِ وصل
دیکھا ہے ہم نے حُسن کو کِس کِس نظر کے ساتھ

ہمراہ دِل کے جا تو رہا ہوں پر دیکھیے
اک بے خبر سفر کو چلا بے خبر کے ساتھ

O

کُلفتیں ضبط کا سامان بھی ہو جاتی ہیں
مشکلیں ہیں مگر آسان بھی ہو جاتی ہیں

لوگ کہتے ہیں یہ بے باک، یہ کافر نظریں
جُھک بھی جاتی ہیں، پشیمان بھی ہو جاتی ہیں

دل میں یادوں کو بسایا ہے سنبھل کر رہیے
بستیاں ہیں کبھی ویران بھی ہو جاتی ہیں

یہ محبّت بھرے خوابوں کی حسیں تعبیریں
خواب کی طرح پریشان بھی ہو جاتی ہیں

○

کچھ اور گمرہیٔ دل کا راز کیا ہوگا
اِک اجنبی تھا کہیں رہ میں کھو گیا ہوگا

وہ جن کی رات تمھارے ہی دم سے روشن تھی
جو تم وہاں سے گئے ہو گے کیا ہوا ہوگا

اس خیال میں راتیں اُجڑ گئیں اپنی
کوئی ہماری بھی حالت کو دیکھتا ہوگا

تمھارے دِل میں کہاں میری یاد کا پرتَو
وہ ایک ہلکا سا بادل تھا چھٹ گیا ہوگا

وفا نہ کی نہ سہی، یہ بھی یاد ہے تجھ کو
کوئی جفا کو بھی تیرے ترس رہا ہوگا

غمِ جدائی میں ایسی کہاں تھی لذّتِ درد
انھیں بھی مجھ سے بچھڑنے کا دُکھ ہوا ہوگا

O

سب کی آنکھیں ہیں پُرنم
کس کس کا غم کھائیں ہم

تیری راہ کے سایوں میں
چاندنی راتوں کا عالم

تیری فرقت کی صبحیں
اُجڑی راتوں کا ماتم

غیر کے دل میں تیری یاد
جیسے کانٹوں پر شبنم

دُنیا اِک ہنگامہ ہے
جانے کیوں خاموش ہیں ہم

○

تحسینِ خزاں تک جو ترا ذوقِ نظر جائے
یہ صحنِ گلستاں، انھیں کانٹوں سے سنور جائے
کچھ تم بھی بڑھو جلوہ گہِ حسن کی جانب
کچھ تم بھی قریب آؤ کہاں تک یہ نظر جائے
ایسا نہ ہو رہ دیکھتی رہ جائیں نگاہیں
ایسا نہ ہو یہ رات بھی آنکھوں میں گزر جائے
جلووں کی فراوانی ہیں کیا حسن تو دیکھوں
پہلے مری آنکھوں سے یہ پردہ تو اُتر جائے
آمادۂ دیدار رکھو چشم و نظر کو
ایسا نہ ہو وہ آکے دبے پاؤں گزر جائے
اب کوئی شکایت نہیں آتی مرے لب پر
شاید یہی اک بات تیرے دل میں اُتر جائے
کعبے کی وہ حالت ہے نہ وہ دیر کی صورت
اب تُو ہی بتا دے تیرا دیوانہ کدھر جائے

○

نرالا ہے فقیروں کا مقام کجکلاہی بھی
کہ اس کی آبرو سے اَوج پر ہے تاجِ شاہی بھی

عجب کیا خود ہی آنکھوں میں سمٹ آئیں ترے جلوے
عجب کیا کام آجائے یہ میری کم نگاہی بھی

یہ آئینہ حریفِ تابِ جلوہ ہو نہیں سکتا
مجھی پر چھوڑ دو یہ شیوۂ حیرت نگاہی بھی

وفاداری بشرطِ استواری کی کسے فرصت
غنیمت ہے کسی کی یہ نگاہِ گاہ گاہی بھی

چلا جو دو قدم اپنے کو منزل آشنا سمجھا
اسی رہ میں بھٹکتے رہ گئے رہبر بھی راہی بھی

زباں کو کس طرح ہو حوصلہ گستاخ گوئی کا
ابھی سیکھا نہیں اُس نے طریق عذر خواہی بھی

ہجوم حشر میں صرفِ ندامت ہو گئی آخر
مری کفر آزمائی بھی، تری ایماں پناہی بھی

تبسم کس لیے افسردہ ہیں لیل و نہار اپنے
وہی ہے روشنی ان کی وہی شب کی سیاہی بھی

○

کیا دل کا عجیب ماجرا ہے
اِک ساز ہے اور بے صدا ہے

کیا تجھ سے کہوں کہ حُسن کیا ہے
کیا میری نظر کا حوصلا ہے

اپنا تو گزر نہیں چمن میں
پھُولوں کی مہک کو کیا ہوا ہے

پہلے بھی کہیں پہ ہم ملے ہیں
کچھ کچھ مجھے یاد آرہا ہے

اب جا کے عدم میں سوئیں گے ہم
یہ زیست تو ایک رتجگا ہے

ہے سامنے سب کے ایک صورت
یوں سب کی نظر جدا جُدا ہے

بڑھتی ہیں جدائیوں کی راہیں
وہ میرے قریب آ رہا ہے

اُس کو نہیں کوئی دیکھ سکتا
پر وہ تو ہر اِک کو دیکھتا ہے

فطرت کی ستم ظریفیوں نے
اِنسان کا دل جلا دیا ہے

یہ شہر کسی کی بے رُخی سے
اِک اجنبی شہر بن گیا ہے

میں بھُولتا جا رہا ہوں خود کو
کیا تُو نے مجھے بُھلا دیا ہے

کیوں چھینتے ہو مرا تبسم
غم میں یہی ایک آسرا ہے

○

ہستیٔ بشر کیا ہے اِک نطفہ کا دھوکا ہے
آدمی کی صورت میں آدمی کا سایہ ہے

غایت نظر کیا ہے، جلوہ ہے کہ پردہ ہے
آنکھ سے جو دیکھا ہے دل اُسی کو ترسا ہے

صرصرِ حوادث سے مٹ گئے نشاں کیا کیا
اس جہانِ صحرا میں تیرا نقشِ پا کیا ہے

تم مجھے بُھلا دو گے، میں تمھیں بھلا دُوں گا
ساری بات دل کی ہے دل کا کیا بھروسا ہے

○

تمھی کہو کہاں لے جائے کوئی جنسِ ہُنر
نہ تجھ میں ذوقِ نظر ہے نہ مجھ میں ذوقِ نظر

بھٹک کے رہ گئی منزل پلٹ گئے راہی
نہ جانے ختم کہاں ہو گا رہبروں کا سفر

ہوا کا ہولا سا جھونکا ہو، کانپ جاتے ہیں
یہ سُوکھے پتّے ہیں، ان کھنکھناہٹوں سے نہ ڈر

کبھی تو آکے زمیں کے نشیب زار بھی دیکھ
کبھی تو اپنے فلک کی بلندیوں سے اُتر

تہی خدائی خرابوں کے کیوں نہوں کشکول
کہ اب تراوشِ سلویٰ رہی نہ بارشِ زر

میسّر آئے اُسے کیسے جستجوئے خُدا
ابھی تلاشِ بشر ہی میں گھومتا ہے بشر

یہ کس جہاں کی خبریں سُنا رہا ہے تُو
نہ تجھ کو میری خبر ہے نہ مجھ کو تیری خبر

ہمارے حال سے یہ بے نیازیاں یا رب
کہ ایک ذرّہ بھی ہوتا نہیں اِدھر سے اُدھر

ہمارے حالِ شب و روز پر تبسّم آج
نہ جانے کس لیے خندہ زناں ہیں شمس و قمر

○

مجھ کو کبھی، کبھی سوئے اغیار دیکھنا
اس شوخ کی نگاہِ طلب گار دیکھنا

چشمِ نظارہ بیں میں ہے یہ کیا رہِ کشود
جب دیکھنا وہی در و دیوار دیکھنا

دُہرائے گا وہ اپنی کوئی داستانِ غم
وہ آ رہا ہے پھر مرا غمخوار دیکھنا

ہر اِک قدم پہ شوق کی منزل ہے ساتھ ساتھ
اس راہرو کی گرمیِ رفتار دیکھنا

دیدارِ بزمِ یار تبسّم! کہاں نصیب؟
اب رہ گیا ہے کوچہ و بازار دیکھنا

○

نہ رُوبرو کوئی دلبر نہ دلرُبا منظر
تو پھر یہ کیسے دریچے، یہ کیسے بام و در

بہک نہ جائے نگہ، ڈگمگا نہ جائیں قدم
رہِ وفا ہے، یہاں سے ذرا سنبھل کے گزر

ملیں گے جا کے، خُدا جانے کِس مقام پہ دل
ابھی تو اُن کی نظر سے نہیں ملی ہے نظر

ابھی تو دُور بہت ہے تجلیٔ رُخِ دوست
ابھی تو قدموں سے اُبھرا ہے دامنوں سے اُبھر!

کبھی جو جھانکنا چاہا کسی گریباں میں
تو آ پڑی ہے نظر اپنے ہی گریباں پر

ملے گی اشکِ ندامت سے کیا نمی اُس کو
کہ زہدِ خشک سے اُلجھا ہے میرا دامن تر

فغاں کی رسم یہاں عام ہوگئی یارو
کہیں سے ڈھونڈ کے لادو مجھے حدیثِ نظر

یہ بات غم نے مرے کس طرح گوارا کی
طویل رات یہ فرقت کی کٹ گئی کیونکر!

گئے تھے کرکے تبسّم وہ مجھ سے وعدۂ صبح
نہ جانے کون سے لمحوں میں کھوگئی وہ سحر!

○

مسافرانِ محبت کی داستاں ہے عجیب
جو سو گئی کہیں منزل تو جاگ اُٹھے نصیب

نہ پُوچھ مرحلۂ شوق دُور ہے کہ قریب!
جہاں ہو دشتِ تمنا وہیں دیارِ حبیب

دُعا نہ مانگ کہ ہو آرزو قبول تری
دُعا یہ مانگ کوئی آرزو ہو تجھ کو نصیب

نہ جانے زورِ خطابت سے تھک گیا ہے وہ
نہ جانے عجزِ ندامت سے چُپ ہوا ہے خطیب

میں خود بتا نہیں سکتا یہ کس کی ہے آواز
تُو آکے کان ذرا دھر مرے لبوں کے قریب

تمام عُمر کٹی مسجدوں کے سایے میں
یہ چار دن تو گزر جائیں میکدے کے قریب

غریقِ گریہ ہو دِل لب رہیں تبسّم ریز
مگر یہ غم نہیں ہوتا ہے ہر کسی کو نصیب

○

دل ڈھونڈتا ہے ہر گھڑی صُورت نئی نئی
بائی ہے اس نے درد کی دولت نئی نئی

سر دار پر کبھی ہے کبھی تیغ کے تلے
ہر دَور میں ہے رسمِ شہادت نئی نئی

دنیا میں آکے بھُول گئے وعدۂ اَلست
آدم نئے نئے ہیں امانت نئی نئی

اس شوخ کی نگاہِ تلوّن شعار سے
ملتی ہے سوزِ دل کو حرارت نئی نئی

یہ شیخ زُہد میں بھی نہیں مستقل مزاج
ہے لحظہ لحظہ طرزِ عبادت نئی نئی

جلنے قریب آئیں گے ہوں گے وہ اور دُور
بیگانگی کی ہے ابھی حالت نئی نئی

کیا جانے کیا ہو اپنا تبسّم مآلِ عشق
ہے آرزو نئی نئی حسرت نئی نئی

○

سوئی نظر، حسین نظارے بھی سو گئے
دل کے یہ نازنین سہارے بھی سو گئے

ساحل اُبھرتا ہی رہا ذوقِ سفر کے ساتھ
کشتی جو سو گئی تو کنارے بھی سو گئے

بیمارِ یاس کی کوئی چارہ گری نہ تھی
تھک تھک کے غمگسار بچارے بھی سو گئے

فطرت ہر ایک درد کی ہوتی ہے چارہ ساز
دردِ غمِ فراق کے مارے بھی سو گئے

اونگھا جو لمحہ بھر کے لیے زیست کا شعور
ہستی کے دلنواز اشارے بھی سو گئے

ہے چشمِ یار شام ہی سے محوِ خوابِ ناز
اچھا ہوا نصیب ہمارے بھی سو گئے

یوں جاگتے رہو گے تبسّم کہاں تلک
سو جاؤ اب تو چاند ستارے بھی سو گئے

○

اگرچہ آنکھ بہت شوخیوں کی زد میں رہی
مری نگاہ ہمیشہ ادب کی حد میں رہی

سمجھ سکا نہ کوئی زندگی کی ارزش کو
یہ جنسِ خاص ترازوئے نیک و بد میں رہی

ازل سے اُبھری تو موجِ ابد میں ڈوب گئی
یہ سیلِ زیست لگد کوبِ جزر و مد میں رہی

بہت بلند ہوا تمکنت سے تاجِ شہی
کلاہِ فقر مگر نازشِ نمد میں رہی

ہمیشہ درد سے عاری رہا یہ زاہدِ خشک
یہ نعش زندہ سدا گوشۂ لحد میں رہی

دلوں میں بیٹھ گیا برہمن کا حُسنِ بیاں
حدیثِ شیخ طلسماتِ رد و کد میں رہی

○

بیٹھ جاتا ہے سدا دیوانہ دیوانے کے ساتھ
کوئی فرزانہ کبھی آیا ہے فرزانے کے پاس

آشنا سے آشنا ملتا ہے لیکن اس طرح
جیسے بیگانہ کوئی آجائے بیگانے کے پاس

آج تک ان کا کوئی سایہ نہیں اس پر پڑا
مسجدوں کی کتنی دیواریں ہیں میخانے کے پاس

آج خود انساں ہی انساں کا پجاری بن گیا
رفتہ رفتہ کعبہ آپہنچا ہے بُتخانے کے پاس

اہلِ زر کو دیکھتا ہے اور ہنس دیتا ہے یہ
کونسی دولت ہے یارب تیرے دیوانے کے پاس

جب دلِ افسُردہ میں اُبھرے کوئی یادِ کہُن
شہر سا آباد ہو جاتا ہے ویرانے کے پاس

ملنے آتے ہیں تبسّم سے زمانے بھر کے لوگ
تم بھی آبیٹھو کبھی اس اپنے بیگانے کے پاس

○

دِل دیا دِل پہ اختیار بھی دے
اے خُدا لذّتِ قرار بھی دے!

حُسن کو بے نیازیاں بخشیں
عشق کو تابِ انتظار بھی دے

پارساؤں کو جنّتیں دے دیں
کچھ تو دادِ گناہ گار بھی دے

کارزارِ حیات ہے دُنیا
بیدلوں کو رہِ فرار بھی دے

رحمتوں کا تری شمار نہیں
کچھ ہمیں جرأتِ شمار بھی دے

زندگی کو کُشادگی دی ہے
وسعتِ مرگِ بے مزار بھی دے

عُمر ساری خزاں میں گزری ہے
چار دن فرصتِ بہار بھی دے

رونقِ حُسن ہے تبسّم سے
زینتِ چشمِ اشکبار بھی دے

○

عشق کو کلفتِ دیرینہ سے آزاد کریں
آئیے درد، نیا غم کوئی ایجاد کریں

درد سے چاک کریں سنگدلوں کے سینے
آہ کو ہمنفس تیشۂ فرہاد کریں

شام میں صُبح کی کرنوں کا اُجالا بھر لیں
صبح کو کشمکشِ زیست سے آباد کریں

ہجر میں تازہ تمناؤں سے جی بہلائیں
وصل میں غم زدہ ارمانوں پہ فریاد کریں

چھوڑ دیں، جورِ زمانہ کا کہن افسانہ
اپنے ہاتھوں جو اُٹھائے ہیں ستم یاد کریں

○

تجھ کو آتے ہی نہیں چھپنے کے انداز ابھی
مرے سینے میں ہے لرزاں تری آواز ابھی

اُس نے دیکھا ہی نہیں درد کا آغاز ابھی
عشق کو اپنی تمناؤں پہ ہے ناز ابھی

کوئی اُبھری نہیں مانوس سی آواز ابھی
اپنے پردوں میں بھٹکتا ہے ترا ساز ابھی

ذہنِ انساں میں کھٹکتے ہیں وہی اُلجھاؤ
سینۂ دہر میں پنہاں ہے کوئی راز ابھی

تجھ کو منزل پہ پہنچنے کا ہے دعویٰ ہمدم
مجھ کو انجام نظر آتا ہے آغاز ابھی

حُسن نے کتنے حجابوں سے اُٹھائے ہیں نقاب
ہے وہی تشنگیٔ شوق کا انداز ابھی

عقلِ انساں نے ستاروں کے بھی پَر نوچ لیے
قلبِ انساں ہے مگر مائلِ پرواز ابھی

کس قدر گوش بر آواز ہے خاموشیٔ شب
کوئی نالہ کہ ہے فریاد کا در باز ابھی

میرے چہرے کی ہنسی، رنگِ شکستہ میرا
تیرے اشکوں میں تبسّم کا ہے انداز ابھی

○

جب اشک تری یاد میں آنکھوں میں ڈھلے ہیں
تاروں کے دیے صورتِ پروانہ جلے ہیں

سو بار بسائی ہے شبِ وصل کی جنّت
سو بار غمِ ہجر کے شعلوں میں جلے ہیں

ہر آن اُمنگوں کے بدلتے رہے تیور
ہر آن محبّت میں نئی راہ چلے ہیں

مہتاب سے چہرے تھے ستاروں سی نگاہیں
ہم لوگ انہی چاند ستاروں میں پلے ہیں

نوچے کبھی ہم نے حوادث کے گریباں
ناکامیٔ کوشش پہ کبھی ہاتھ ملے ہیں

تاریک فضاؤں کے اُبھرتے رہے طوفاں
پھر بھی تری یادوں کے دیے خوب جلے ہیں

کیا جانیے یہ رند بُرے ہیں کہ بھلے ہیں
ساقی کی نگاہوں کے اشاروں پہ چلے ہیں

محسوس یہ ہوتا ہے کہ دُنیا کی بہاریں
اُس گُلکدۂ ناز کے سائے کے تلے ہیں

یونہی تو دل آویز نہیں شعرِ تبسّم
یہ نقش ترے حُسن کے سانچے میں ڈھلے ہیں

○

سمجھا نہ رازِ دردِ محبت تو کیا ہُوا
اِتنا تو ہے کہ حُسنِ نظر آشنا ہوا

اِس گلشنِ کُہن کے ہجومِ بہار میں
گُم ہو چلے تھے ہم کو کہ ترا سامنا ہُوا

بزمِ وفا میں اپنی تہی مائگی نہ پوچھ
اِک دردِ دل تھا وہ بھی کسی کا دیا ہوا

ذوقِ نظر سے عیشِ شعورِ گناہ تک
پہنچا کہاں کہاں میں تجھے ڈھونڈتا ہُوا

ہر آرزو ہے اصل میں اِخفائے آرزو
ہر دل میں ایک اور ہی دل ہے چُھپا ہُوا

ہر حادثے میں ایک تمنا اُجڑ گئی
دل ہے کہ ایک بُت کدۂ ویراں پڑا ہُوا

اے دوست تُو نے کیسے گوارا کیا فراق؟
اے دوست کس طرح سے تجھے حوصلا ہُوا

وہ چل دیے تو آنکھ ہوئی دل پہ اشکبار
وہ آ گئے تو دل کو نظر سے گِلا ہُوا

اِک باوفا کے دل میں کِسی بے وفا کی یاد
یوں ہے کہ جیسے پھول میں کانٹا چُبھا ہُوا

بڑھتا گیا نیاز محبّت کے ساتھ ساتھ
یہ غم ہوا کہ تیرے سِتم کی ادا ہُوا

یہ میرے آنسوؤں کی چمک تھی کہ جس سے دوست
تیرے حسیں لبوں کو تبسّم عطا ہُوا

○

حُسن کو جو منظور ہُوا　　عشق کا وہ مقدور ہُوا
پردوں میں عُریاں تھا حُسن　　جلووں میں مستور ہُوا
جتنے ہم نزدیک گئے　　اتنا ہی وہ دُور ہُوا
کتنی آسیں ٹوٹ گئیں　　کتنا دِل رنجُور ہُوا
مختاری کی شان ملی　　کیا انساں مجبور ہُوا
پل بھر کشتی ٹھہری تھی　　برسوں ساحل دُور ہُوا
حق کی باتیں سمجھے کون　　جو سمجھا منصُور ہُوا
آگ نہ تھی تو پتھر تھا　　آگ جلی تو طُور ہُوا

مِل کر آج تبسم سے
کتنا دِل مسرُور ہُوا

○

بیانِ اہلِ محبّت بجز اشارہ نہیں
خموشیوں کے سوا اور کوئی چارہ نہیں

اِدھر ہی لَوٹ کے آئے گی پھر تری کشتی
یہ ایک موجۂ گرداب ہے کنارہ نہیں

یہ کہہ کے لَوٹ گئی صحنِ گُل سے فصلِ بہار
کہ چشمِ اہلِ چمن درخورِ نظارہ نہیں

بھٹک رہا ہے کہاں تو فضائے گردُوں میں؛
جہانِ خاک میں کیا ایک بھی ستارہ نہیں

ہزار بار مَرے اور جیے ہیں دُنیا میں
اگرچہ زیست کی رَہ میں گزر دوبارہ نہیں

جس اشک میں ترا خونِ جگر نہیں شامل
وہ ایک کِرمکِ شب تاب ہے شرارہ نہیں

کہاں ڈبوئیں یہ آلامِ زندگی جا کر؟
سوائے موجِ تبسّم کوئی بھی چارہ نہیں

○

مری ہر بات سُن کے چُپ رہنا
اس حسیں بے رُخی کا کیا کہنا
آنسوؤں سے مرے نہ گھبراؤ
آنسوؤں کا تو کام ہے بہنا
آرزوؤں کو یوں نہ ٹھکراؤ
آرزوئیں ہیں عشق کا لہنا
حُسن چُھپتا نہیں نقابوں میں
حُسن کا ہر حجاب ہے گہنا
حُسن جھانکے گا ان دریچوں سے
سُوئے دیوار دیکھتے رہنا
پھر بھی تم نے ہمیں نہ پہچانا
ہم نے کیا کیا لباسِ غم پہنا
کوئی سمجھے تو بات ہے ورنہ
ہم کو آتا ہے حالِ دل کہنا

O

دردِ محبت کے ماروں کے سارے سہارے ڈوب گئے
کل ڈوبی تھی اپنی کشتی آج کنارے ڈوب گئے

تم طوفانوں سے گھبرائے تم نے ساحل تھام لیا
ہم طوفانوں سے ٹکرائے، ہم بیچارے ڈوب گئے

دِل والوں کی ہمت دیکھو، دل والوں کی قسمت دیکھو
دِل کے سہارے چل نکلے تھے، دِل کے سہارے ڈوب گئے

غم کے بادل گھِر کر آئے، درد کے سائے سر پر چھائے
دن گزرا رات آئی غم کی، چاند ستارے ڈوب گئے

○

زباں کرتی ہے دِل کی ترجمانی دیکھتے جاؤ!
پکار اُٹھی ہے میری بے زبانی دیکھتے جاؤ!

کہاں جاتے ہو، اُلفت کا فسانہ چھیڑ کر ٹھہرو!
پہنچتی ہے کہاں اب یہ کہانی دیکھتے جاؤ!

تری ظالم محبّت نے جسے بدنام کر ڈالا
اُسی مظلوم کی رُسوا جوانی دیکھتے جاؤ!

سُنانا ہے کوئی محرومیوں کی داستاں سُن لو!
اُجڑتی ہے کسی کی زندگانی دیکھتے جاؤ!

وہ جس کی دلنشیں نظروں میں دیکھی تھی ہنسی تُم نے
اُسی کے آنسوؤں کی خوں فشانی دیکھتے جاؤ!

○

وفا سناتی ہے دِل کے قصّے کبھی زباں سے کبھی نظر سے
جو بات لب تک نہ آسکی تھی نظر نے کہہ دی مری نظر سے

یہ کس نے پھر سازِ دل پہ میرے نئی امنگوں کے راگ چھیڑے
یہ کس نے پھر ایک بار دیکھا مجھے محبّت بھری نظر سے

جو کچھ ترے دل کی ہو تمنّا وہی مرے دِل کی آرزو ہے
جہاں کی ہر شے کو دیکھتی ہیں مری نگاہیں تری نظر سے

تری محبّت نے مجھ کو ہر بار اک نئی زندگی عطا کی
کہ دِل نے ہر بار تجھ کو دیکھا نئی تمنّا نئی نظر سے

نہ جانے کتنی جدائیوں کے اُٹھائے صدمے دِلِ حزیں نے!
نہ جانے کتنی قیامتیں تھیں گزر گئیں جو مری نظر سے

○

ہر ایک شکوے میں ہوتی ہے ایک پیار کی بات
کچھ اس مزے سے سُنانا ہے یار یار کی بات

ہر ایک بات میں بے اختیار ہے انساں
مگر حدیثِ محبّت ہے اختیار کی بات

جہان والے ہر اک شے کو بھول جاتے ہیں
ہمیشہ یاد رہی ہے جہاں کو پیار کی بات

یہ ایک نکتہ بھی اہلِ وفا کو یاد رہے
کہ کاروبارِ محبّت ہے اعتبار کی بات

اِسی سے راحتیں حاصل ہیں اہلِ دُنیا کو
سکوں کا راز یہی ہے، یہی قرار کی بات

اِسی سے دیر و حرم کے چراغ روشن ہیں
اِسی کے دم سے دلوں کے ایاغ روشن ہیں

○

مٹی مٹی ہوئی یادوں کے داغ کیا جلتے؟
نہ تھی شراب میں گرمی ایاغ کیا جلتے؟

فسُردہ ہو گئے صحنِ چمن کے پروانے
مِلا نہ آتشِ گُل کا سُراغ کیا جلتے؟

دبے دبے رہے سینے میں آرزو کے داغ
تمھارے حُسن کے آگے چراغ کیا جلتے؟

بہار میں بھی جب گرمیِ بہار نہ تھی
یہ کوہ و دشت و چمن، باغ و راغ کیا جلتے؟

جلن بہت تھی غمِ زندگی کے شعلوں میں
بہت فسُردہ تھے صاحب فراغ کیا جلتے؟

وفا سے اہلِ ہوس کو سرور کیا ملتا؟
خِرد فروز تھے یہ بے دماغ کیا جلتے؟

○

ہے کہیں جلوہ زارِ گُل اور کہیں خار ہے بہار
میری بہار ہے خزاں تیری بہار ہے بہار

اہلِ خرد کے رُو برو ایک طلسمِ رنگ و بُو
اہلِ جنوں سے پُوچھیے، جلوۂ یار ہے بہار

ہم کو تو اس بہار نے اور بھی مضطرب کیا
کونسے خوش نصیب کے دل کا قرار ہے بہار

دل کی کلی نہ کھل سکے، پھر بھی چمن چمن تو ہے
ذوقِ نظر نہ مل سکے پھر بھی بہار ہے بہار

حسرتِ عہدِ رفتہ کا داغِ نہفتہ ہے خزاں
اپنی شکستِ رنگ کی آئینہ دار ہے بہار

○

وہ حُسن کو جلوہ کریں گے
آرائشِ بام و دَر کریں گے
ہر گوشے میں ہو گی خود نمائی
ہر ذرّے کو رہگزر کریں گے
ہنس ہنس کے کریں گے چارہ سازی
سامانِ دل و نظر کریں گے
ہم بھی سرِ راہ منتظر ہیں
دیکھیں کب اِدھر نظر کریں گے
افسانۂ غم طویل ہے دوست
اس بات کو مختصر کریں گے
ہے شامِ فراق سخت تاریک
اس شام کی اب سحر کریں گے
افسردہ ہیں زندگی کے تیور
کب تک یونہی ہم بسر کریں گے
آئے گا تبسّم ان لبوں پر
آنسو بھی کبھی اثر کریں گے

O

یہ صحنِ چمن یہ آشیانے
تعمیرِ قفس کے ہیں بہانے

اِک بات نظر نے کی نظر سے
اس بات کے بن گئے فسانے

جُھکتا ہی نہیں کہیں سرِ شوق
سنسان پڑے ہیں آستانے

تھی رسمِ وفا کبھی جہاں میں
اِس بات کو آج کون مانے

پل بھر کے لیے جُدا ہوئے ہم
پل بھر میں گزر گئے زمانے

اشکوں میں چمک کہاں سے آئے
داغوں کے شرر ہوئے ترانے

ہر ذرّہ اُبھر کے کہہ رہا ہے
آ دیکھ اِدھر یہاں خدا ہے

اِس چرخ کو پیس ڈالتا ہیں
افسوس کہ یار بے وفا ہے

مرتا تری کج ادائیوں پر
لیکن وہ خمار اُتر گیا ہے

میں مہر و وفا کی انتہا ہوں
تُو جور و جفا کی انتہا ہے

عُشاق کی رُوح کانپتی ہے
جب آئینہ کوئی دیکھتا ہے

یہ کُفر نوازیٔ تبسم
کافر کسی بُت پہ مبتلا ہے

○

کتنے غم تیری محبت نے دیے
کتنے غم تیرے سوا بھی آئے

کتنے آغازِ محبت دیکھے
کتنے انجامِ وفا بھی آئے

کتنے نغموں کی صدائیں اُبھریں
کوئی بیماروں کی صدا بھی آئے

ڈھونڈنے ایک خدا کو نکلے
راہ میں اور خدا بھی آئے

اس قدر راہ روؤں کا ہے ہجوم
کوئی تو راہ نما بھی آئے

○

آ دیکھ دل کی وسعتیں، دشتِ وفا میں رقص کر
بن کر بگولا شوق کا ارض و سما میں رقص کر

آ سازِ جاں کو چھیڑ کر تانیں محبت کی اُڑا!
اپنی صدا پر جھوم جا، اپنی ادا میں رقص کر!

ساحل کی ہے کیسی لگن، کشتی ہے کیا، کیا ناخدا!
گرداب میں ہو غوطہ زن، موجِ بلا میں رقص کر!

دُھندلا گئے نقشِ قدم کیا کارواں کی جستجو
بانگِ درا کو بھول جا، ذوقِ حُدیٰ میں رقص کر!

کب تک رسمِ رفتگاں، کب تک یہ تقلیدِ جہاں
جشنِ طرب میں نوحہ کر، بزمِ عزا میں رقص کر!

مل جائے کوئی باوفا، ہے کس کا یہ بختِ رسا!
رسمِ وفا کو بھول جا، یادِ وفا میں رقص کر!

○

کارواں حُسن کے کیا کیا نہ نظر سے گزرے
کاش وہ بھی کبھی اس راہگزر سے گزرے
کوئی صورت نظر آتی نہیں آبادی کی
ہم تو ان اُجڑے ہوئے شام و سحر سے گزرے
سفرِ عشق میں کُھلتی ہیں ہزاروں راہیں
دل مسافر ہے خدا جانے کدھر سے گزرے
پھر بھی کیوں خشک ہیں دامن مرے غمخواروں کے
کتنے طوفان مرے دیدۂ تر سے گزرے
یوں تو طوفاں سے گزرتے ہیں سفینے اکثر
وہی کشتی ہے جو ساحل کے بھنور سے گزرے
دل کو یارا نہ ہوا آنکھ بھی جھپکانے کا
ایسے نظارے بھی کچھ اپنی نظر سے گزرے
اور بھی پھیل گئیں رنج و الم کی راہیں
رہِ نوردانِ رہِ عشق جدھر سے گزرے

O

ذوقِ وفا نہیں تمہیں، دادِ وفا تو دو
روتے نہیں ہو ساتھ مرے، مُسکرا تو دو

ممکن نہیں یہ کم نگہی ضبط کے بغیر
بے التفاتیوں سے یہ پردہ اُٹھا تو دو

مٹنے دو مرے دل سے یہ موہوم سی خلش
کرتے نہیں ہو یاد مجھے تم بُھلا تو دو

تھک تھک کے رہ گئی ہے مری چشمِ جستجو
کس گوشۂ جہاں میں نہاں ہو صدا تو دو؟

دیکھو پھر ایک بار مجھے برہمی کے ساتھ
پھر سے بھڑک اُٹھے گا یہ شعلہ ہوا تو دو

آگے مرا نصیب کہ کام آئے یا نہ آئے
اِک بار بختِ خفتہ کو آکر جگا تو دو

○

طلسمِ جلوہ! نہ سحرِ نظر! نہ لُطفِ خرام!
فسونِ حُسن سے آگے ہے دلبری کا مقام

ازل سے ڈھونڈ رہی ہے نگاہ انساں کی
وہ ایک دن کہ نہیں جس میں کوئی صبح و شام

نگاہِ شوق جہاں پڑ گئی وہی آغاز
نگاہِ حُسن جہاں مل گئی وہی انجام

تری نظر سے ہے ساقی حلال بادۂ ناب
ہے بے رُخی سے تری آبِ زندگی بھی حرام

کبھی وہ شام کہ تھا ایک صُبح کا عالم
کبھی یہ صبح کہ شرمائے جس سے چہرۂ شام

نہ جانے پیار کی نظروں کے قافلے ہیں کہاں؟
کہ ایک عُمر سے سُونے پڑے ہیں یہ در و بام

○

خدا جانے دِلوں کے درمیاں یہ کیسا پردا ہے
کہ جو بھی آشنا ہے ایک بیگانہ سا لگتا ہے
یہ میرے شوق کی ہے ابتدا یا انتہا کیا ہے
کہ جو بھی بات لب پر آگئی حرفِ تمنّا ہے
نظر کی بات ہے ورنہ حجابوں میں رکھا کیا ہے
تمہارے منہ چھپانے پر بھی کیا کیا ہم نے دیکھا ہے
وفورِ ذوقِ نغمہ سے ملی منقار بلبل کو
مرا حُسنِ نظر میری ہی تخلیقِ تمنّا ہے
جو کچھ ہم دیکھنا چاہیں وہ آئے نظر ہم کو
یہ دنیا تو ہماری آرزوؤں کا سراپا ہے
یونہی کہہ دی غزل ورنہ بقولِ حضرتِ غالب
" اثر فریاد دلہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے
یہ آنسو ہی نہیں تنہا فسانہ دردمندی کا
تبسّم بھی تو آخر بے کسی کا ایک دُکھڑا ہے

○

چہرۂ صبح کا اس طور پریشاں ہونا
اس کی قسمت میں ہے شامِ شبِ ہجراں ہونا

کس قدر عام ہے سینوں میں دِلوں کی دھڑکن!
کتنا آسان ہے غم کا غمِ دوراں ہونا

دیکھ کر آئینہ خود آئینہ بن جاتا ہے
تم نے دیکھا ہی نہیں حُسن کا حیراں ہونا

کیا ہوا شہرِ محبت تیری آبادی کو
ہم سے دیکھا نہیں جاتا ترا ویراں ہونا

گھر کی بربادی بھی ہے، گھر کی نگہبانی بھی
خانۂ زیست کا آساں نہیں درباں ہونا

یہ پشیمانی بھی کیا زُودِ پشیمانی ہے
یوں پشیمان نہ ہونے سے پشیماں ہونا

اب تو ہر بات پہ بہتے ہیں تبسّم آنسو
ہائے اس جنسِ گراں مایہ کا ارزاں ہونا

○

ایسا نہ تھا کہ بات سمجھ میں نہ آ سکے
ہم ہی نہ داستانِ تمنّا سُنا سکے

ہوتی ہے لحظہ لحظہ نئی حُسن کی کشش
کب تک کوئی نگاہ کا دامن بچا سکے

کھوئے ہیں حسن و عشق ہجومِ نگاہ میں
فرصت کہاں کہ دل کوئی دل سے ملا سکے

اِتنا تو ہو دِلوں کو ترے غم کا حوصلہ
جب یاد تیری آئے کوئی مُسکرا سکے

تجھ سے اُلجھ گئیں تری کوتاہ نگاہیاں
ایسی بھی اِک نظر کہ ذرا دُور جا سکے

کھائے گا اور کون سا پتھر جسمِ زندگی
وہ دِل کہ ایک زخمِ محبّت نہ کھا سکے

○

نظر ملے تو طلسمِ وفا کا ساتھ نہ دے!
ہجومِ شوق کسی مدعا کا ساتھ نہ دے!
کہاں جہانِ تمنّا بسا لیا تُو نے
جہاں کوئی بھی کسی آشنا کا ساتھ نہ دے!
قدم بڑھا کہ رہِ زندگی کٹھن ہے بہت
وہ چال چل کہ ترے نقشِ پا کا ساتھ نہ دے!
خود اِک تلاطمِ پرواز ہیں ترے پر و بال
اُڑے تو موجۂ بادِ صبا کا ساتھ نہ دے!
کہیں سفینہ بھی ساحل کے ساتھ ڈوب جائے
خدا کا ساتھ دیا، ناخدا کا ساتھ نہ دے!
نہ جانے کون سی منزل پہ تجھ کو لے جائے
رہِ وفا میں جرس کی صدا کا ساتھ نہ دے!
دُعا یہ مانگ کہ وہ آرزو ہو تجھ کو نصیب
جو آرزو ترے دستِ دُعا کا ساتھ نہ دے!

O

کہیں چاند تارے کہیں چاندنی ہے
فضا دِلربا ، دِل نشیں چاندنی ہے

سنورتی نہیں چاند تاروں سے راتیں
جہاں حُسن چمکے وہیں چاندنی ہے

جو دل شادماں ہو تو ہنستے ہیں تارے
نظر ہو حسیں تو حسیں چاندنی ہے

میں کیوں چاند تاروں کی دُنیا کو دیکھوں
یہیں چاند میرا ، یہیں چاندنی ہے

محبت کے کتنے حسیں ہیں نظارے
محبت کی کتنی حسیں چاندنی ہے

○

چمن کی سرزمیں دیکھی ، نہ رنگِ گلستاں میں نے
قفس سے تیلیاں لے کر بنایا آشیاں میں نے

تری ہر اک ادا پر میری نظروں نے کیے سجدے
جہاں تُو نے قدم رکھا بنایا آستاں میں نے

تیری معصوم نظریں تھیں میرے معصوم دھوکے تھے
کہ تم نامہرباں تھے اور سمجھا مہرباں میں نے

ہزاروں خواہشیں تھیں تیری خواہش پر فدا کر دیں
ہزاروں آستانے تھے جبیں رکھ دی کہاں میں نے

نہ جانے کونسی راہوں سے آپہنچی وہاں دُنیا
جہاں والوں سے چھُپ کر اک بسایا تھا جہاں میں نے

ترے چاکِ گریباں سے تجھے دردآشنا سمجھا
خموشی کو تری سمجھا محبت کی زباں میں نے

O

وسعتیں تھیں دل میں جو چاہا بنا لیا
صحرا بنا لیا کبھی دریا بنا لیا

یوں رشک کی نگاہ سے کس کس کو دیکھتے
ہر آرزو کو اپنی تمنّا بنا لیا

کب تک جہاں سے درد کی دولت سمیٹتے
خود اپنے دل کو غم کا خزینہ بنا لیا

دنیا کی کوفتوں کو گوارا نہ کر سکے
عقبیٰ کو زندگی کا سہارا بنا لیا

تھی کائناتِ حسن کی سادہ سی اک جھلک
ہم نے نگاہِ شوق سے کیا کیا بنا لیا

اس دل کو ہم نے تیری نگاہوں کے ساتھ ساتھ
بیگانہ کر لیا کبھی اپنا بنا لیا

○

کیا فائدہ کہ شکوۂ دُنیا کرے کوئی
افراطِ غم سے غم کا مداوا کرے کوئی

دل ہو چکا ہے واقفِ انجام زندگی
کِس دل سے زندگی کی تمنّا کرے کوئی

بیدادِ دوست، دردِ دوست، آرزوئے دوست
کِس کِس سے جا کے عرضِ تمنّا کرے کوئی

حُسن سے خطاب

جہاں میں خلدِ مسرت کی یادگار ہے تُو
مرا فسانۂ غم سُن کے سوگوار نہ ہو

تو نوعروسِ شبستانِ زندگانی ہے
تو نوبہارِ گلستانِ شادمانی ہے
شباب کھیل رہا ہے ترا بہاروں میں
نشاطِ عیش کے شاداب خندہ زاروں میں
سُرورِ خواب کی دنیائے کیف بار ہے تو
مرا فسانۂ غم سن کے بےقرار نہ ہو

تری نگاہ میں فردوس رقص کرتے ہیں
لبوں پہ جنّتیں عشرت کی مسکراتی ہیں
تری اداؤں میں لرزاں ہیں کوثر و تسنیم
ضیائیں حور و ملائک کی جگمگاتی ہیں
ترا شباب طرب زارِ حسنِ فطرت ہے
جہاں میں تو ابدی راحتوں کی جنّت ہے

مرا فسانۂ غم سُن کے اشک بار نہ ہو
سکونِ کو تکلیفِ اضطراب نہ دے
خدا کے واسطے تیغِ نگہ کو آب نہ دے

ایک نظر

ایک بار اور ذرا دیکھ اِدھر
اپنے جلووں کو بکھر جانے دے
رُوح میں مری اُتر جانے دے
مسکراتی ہُوئی نظروں کا فسوں
یہ حسیں لب، یہ درخشندہ جبیں
ابھی بے باک نہیں
اور آنے دے انھیں میری نگاہوں کے قریں
ڈال پھر میری جواں خیز تمنّاؤں پر
بے محابا سی نظر
ایک بار اور ذرا دیکھ اِدھر
ہاں وہی ایک نظر
غیر فانی سی نظر
جس کی آغوش میں رقصندہ ہے

ابدی کیف کی دنیائے جمیل

جس میں تاریکیِ آلام نہیں

کاہشِ گردشِ ایام نہیں

محو ہو جاتے ہیں جس سے یک سر

یادِ ماضی کی خلش

کاوشِ فردا کا اثر

ہاں وہی ایک نظر

ایک بار اور ذرا دیکھ ادھر

مزارِ دوست پر

ترس گئی ہے تری دید کو نظر اے دوست
ترے مزار پر آنسو بہا رہا ہوں میں
نقاب ڈالا ہے قدرت نے تیرے چہرے پر
جسے اٹھا نہیں سکتا کوئی بشر اے دوست

ترے وصال کی دشوار رہگزاروں میں
مری نگاہ نے دیکھے کئی نشیب و فراز
سفر کیے ہیں مرے پائے شوق نے لاکھوں
ترے فراق کی کاٹی ہیں آہ ہائے دراز
مگر یہ ایک قدم مجھ سے اُٹھ نہیں سکتا
یہ فاصلہ ہے بہت مختصر مگر اے دوست
یہ فاصلہ ہے نظر کی حدود سے باہر
یہ مرحلہ ہے سفر کی حدود سے باہر

سُراغِ منزل

ایک کھوئی ہوئی منزل پہ پہنچنے کے لیے
ہم کئی راہگزاروں سے گزر کر آئے
خارزاروں سے، بیابانوں سے ویرانوں سے
موت کے خوف سے سہمے ہوئے میدانوں سے
کرب و آلام کے طوفانوں سے ٹکراتے رہے
زندہ لاشوں کے مزاروں سے گزر کر آئے
ان کڑی راہوں میں ایسے بھی مقامات آئے
جستجوؤں کو سفرگاہوں کی راہیں نہ ملیں
اس کٹھن وقت میں کچھ ایسے بھی دن رات آئے
شام کی، نورِ سحرگہ سے نگاہیں نہ ملیں
ایسا موہوم ہُوا ہستیِ انساں کا ثبات
اس قدر گرم ہُوا معرکۂ مرگ و حیات

زندگی بےکسیِ مرگ سے غمناک ہُوئی
موت کی آنکھ غمِ زیست سے نمناک ہُوئی
اپنے بیباک ارادوں کا سہارا لے کر
آرزوؤں کی تمنّاؤں کی دنیا لے کر
ان سبھی راہگزاروں سے گزر کر آخر
اپنی اس منزلِ مقصود پہ ہم آپہنچے
عالمِ یاس میں اُمّید ضیا بار ہُوئی
ظلمتِ غم میں نئی صبح نمودار ہوئی
مضمحل دل نے سنبھلنے کا قرینہ سیکھا
رُوح بیدار ہوئی زیست نے جینا سیکھا

ایک رات

چاندنی رات وہ صحرا کا جنوں خیز شباب
نیم خوابیدہ ستاروں کا دل افروز سکوت
ہلکی ہلکی سی فضاؤں میں ہوا کی جنبش
مرتعش تاروں میں لپکے ہوئے نغماتِ رباب

مخملیں ریگ کی مسرور ردا پر رقصاں

سایۂ شاخِ نخیل

جس طرح کوثر و تسنیم کی لہروں پہ عیاں

حور کا عکسِ جمیل

ایک فردوسِ مسرت تھا کہ شب کا منظر
ایک دنیائے محبت تھی کہ میری لیلیٰ
رُخِ پُر نور پہ ڈھلکا ہوا سیمیں آنچل
مضمحل آنکھوں میں سہمی ہوئی معصوم حیا
مسکراتے ہوئے ہونٹوں پہ خفی سی لرزش
مے رنگیں کا چھلکتا ہوا ساغر گویا!

سمٹا سمٹا سا مری باہوں میں وہ جسمِ لطیف
بکھری بکھری سی سیہ زلف مرے شانوں پر
ایک شعلہ سا لپکتا ہُوا دو سینوں میں
ایک حسیں کیف سا چھایا ہوا دو جانوں پر

رات تھے میری نگاہوں میں وہ دلکش جلوے
آنکھ تھی محو مگر دل کو نہ آتا تھا یقیں
رات دیکھا میری مدہوش تمناؤں نے
دُور اس وادیِ پُرغم سے بہت دُور کہیں

ایک دھندلا سا سراب ایک موہوم سا خواب

یاد

گردوں کی فضائے نیلگوں میں مہتاب ستارے جگمگائے
مہکا ہُوا ظلمتوں پر بہکے ہوئے چاندنی میں سائے
رقصاں ہوئیں خاک پر بہاریں فردوس ہوا پہ لہلہائے
یہ حُسن کی کائنات توبہ یہ کیفیتیں یہ رات ہائے
کس وقت وہ مجھ کو یاد آئے

ہر راہگزارِ زندگی میں سیلاب سُرور و کیف جاری
ہر سمت ہے سحر خامشی کا ہر شے پہ سکوں کی نیند طاری
مدہوش فضائے بیخودی میں ڈوبی ہُوئی کائنات ساری
یہ عالمِ محویت کہ انساں ہر بات جہاں کی بھول جائے
کس وقت وہ مجھ کو یاد آئے

اِک ابرِ سیہ تھا گھِر کے آیا

اِک ابرِ سیہ تھا گھِر کے آیا
سنسان پڑے ہوئے تھے میدان
سُونی تھی فضائے دشت و کہسار
خاموش تھے گلشن و چمن زار
افسُردہ بہار ہو رہی تھی
آغوشِ خزاں میں سو رہی تھی
طاری تھی دلوں پہ اک اُداسی
چھایا تھا جہان پہ غم کا سایا

خورشید کی تیز روشنی نے
اس ابرِ سیہ کو چیر ڈالا
ہر سمت چمک اُٹھا اُجالا
ہر سمت ضیائیں لہلہائیں
ہر سمت فضائیں مسکرائیں
ہر ذرّے میں جاگ اُٹھی تجلّی
ہر ذرّے میں نور جگمگایا،
دنیا کی پلٹ گئی ہے کایا
اِک ابرِ سیہ تھا گھر کے آیا

بیساکھی

لو پھر ہُوا سالِ نو کا آغاز

پھر اور ہوا ہے رنگِ ہستی
پھر بدلے ہیں زندگی کے انداز
پھر جاگ اُٹھے نئے ترانے
پھر تازہ ہُوا ہے زیست کا ساز

لو پھر ہُوا سالِ نو کا آغاز

دیہات میں اک نیا سماں ہے

ہر سمت بچھی ہوئی ہے مخمل،
ہر گوشے میں فرشِ پرنیاں ہے
ہر ندی ہے سلسبیل و تسنیم
ہر جادہ راہِ کہکشاں ہے

دیہات میں اک نیا سماں ہے

دہقاں نہ کس لیے ہو مسرور

ہر دانہ ہے غیرتِ ستارہ
ہر شاخ ہے اک محفلِ نور
ہر خوشہ ہے رُوکشِ ثریا
ہر گوشہ ہے اک وادیٔ طور

دہقان نہ کس لیے ہو مسرور

نادار بنا امیر زردار

یوں ہلتے ہیں زرد زرد خوشے
جس طرح کھنک رہے ہوں دینار
برسائی ہے آسماں نے دولت
ہر سمت لگے ہیں زر کے انبار

نادار بنا امیر زردار

"چند روز اور مری جان فقط چند ہی روز"

زندگی ہے تو کوئی بات نہیں ہے اے دوست

زندگی ہے تو بدل جائیں گے یہ لیل و نہار
یہ شب و روز، مہ و سال گزر جائیں گے
ہم سے بے مہر زمانے کی نظر کے اطوار
آج بگڑے ہیں تو اک روز سنور جائیں گے
فاصلوں، مرحلوں، راہوں کی جُدائی کیا ہے
دل ملے ہیں تو نگاہوں کی جُدائی کیا ہے

کلفتِ زیست سے انسان پریشاں ہی سہی
زیست آشوبِ غمِ مرگ کا طوفاں ہی سہی
مل ہی جاتا ہے سفینوں کو کنارا آخر
زندگی ڈھونڈ ہی لیتی ہے سہارا آخر
اک نہ اک روز شبِ غم کی سحر بھی ہو گی
زندگی ہے تو مسرت سے بسر بھی ہو گی

زندگی ہے تو کوئی بات نہیں ہے اے دوست!

ہم لوگ

غیروں کی عظمت کے قائل
اپنی ہستی سے بے گانے

ٹھنڈی آگ میں جلنے والے
بُجھتی شمعوں کے پروانے

اُجڑی نگری کی آبادی
بستی دُنیا کے ویرانے

جوش بھرے نعروں کے خُوگر
مست نواؤں کے متوالے

ساحل کی آغوش میں رہ کر
طوفانوں سے لڑنے والے

دِل پہ غلامی کی زنجیریں
لب پہ آزادی کے گانے

تَن کے مندر میں اُجیالا
مَن کی دنیا میں اندھیاری

بے ہوشی میں ہوش کی باتیں
جیسے خوابوں کی بیداری

بات میں شوخی لب افسردہ
ہنستے چہرے دل آزردہ

رنگ نیا، بے رنگ فسانے
لفظ نئے مضمون پرانے

خیر مقدم*

دُور پردیس سے پھر دیس میں آنے کے لیے
تم کئی راہ گذاروں سے گزر کر آئے
درد و آلام کے طوفانوں سے ٹکراتے ہوئے
یاس کے زندہ مزاروں سے گزر کر آئے

ان کڑی راہوں میں ایسے بھی مقامات آئے
جستجوؤں کو سفر گاہوں کی راہیں نہ ملیں
اس کٹھن وقت میں کچھ ایسے بھی دن رات آئے
شام کی نورِ سحر گہ سے نگاہیں نہ ملیں
ہاں مگر اپنے ارادوں کا سہارا لے کر
آرزوؤں کی تمنّاؤں کی دُنیا لے کر
اپنی اس منزلِ مقصود پہ تم آ پہنچے
زندگانی کا نیا جوشِ تقاضا لے کر

شُکر، صد شُکر کہ اُمید ضیا بار ہوئی
ظُلمتِ شب سے نئی صبح نمودار ہوئی

---

* جنگی قیدیوں کی واپسی کے سلسلے میں کہی گئی۔ یہ نظم 'ماہِ نو' میں مئی ۷۴ء میں شائع ہوئی۔

اجنبی خط و خال

یہ کس نے مری نظر کو لُوٹا
ہر چیز کا حُسن چھن گیا ہے
ہر شے کے ہیں اجنبی خط و خال
بڑھتے چلے جا رہے ہیں ہر سمت
موہوم سی بے رخی کے سائے
کچھ اس طرح ہو رہا ہے محسوس
جیسے کسی شے کا نقشِ مانوس
آ آ کے قریب لوٹ جائے

بیگانہ ہوں اپنے آپ سے میں
اور تُو بھی ہے دُور دُور مجھ سے

کچھ ایسے بکھر بکھر گئے
جلووں کے سمیٹنے کو گویا
آنکھوں میں سکت نہیں رہی ہے
کیا تُو نے کوئی نقاب اُلٹا
یا آج کوئی طلسم ٹوٹا!
یہ کس نے مری نظر کو لُوٹا
ہر شے کے ہیں اجنبی خط و خال

مرے غم کو مضمحل نہ کرو

ہزار چارہ کرو تم علاجِ دل نہ کرو
مجھے کیا ہے مرے غم کو مضمحل نہ کرو

یہ ایک غم ہی تو ہے مشکلاتِ دل کی کشود
یہ ایک رنگ ہے صد نقشِ زندگی کی نمود

اِس ایک دُکھ کے لیے راحتیں لٹائی ہیں
جہانِ خاک کی سو نعمتیں لٹائی ہیں

ہزار ہم نفسانِ قدیم چھوٹ گئے
نہ جانے کتنے پرانے تھے رشتے ٹوٹ گئے

اس ایک موجۂ طوفانِ چشمِ تر کے لیے
اس ایک قطرۂ خوں نابۂ جگر کے لیے

جو ہو سکے تو مداوائے دردِ دل نہ کرو
مجھے کیا ہے مرے غم کو مضمحل نہ کرو

نگاہ و چشم کی دُنیا

نگاہ و چشم کی دُنیا سے دُور رہتا ہوں
جو مرے دل میں سمائے وہی ہے میرا جہاں

لطیف جسم کا شعلہ گداز آتشیں لمس
نشاطِ وصل کی سرمستی و جنوں خیزی
حدیثِ درد کا نغمہ نواز زیر و بم
ہے فراق کی تلخی و تندی و تیزی
وفورِ لذتِ جامِ شراب و بوئے کباب
بیانِ حُسن و شباب و نوائے چنگ و رباب
میں دیکھتا نہیں، غرقِ سرور رہتا ہوں
نگاہ و چشم کی دُنیا سے دُور رہتا ہوں
جو مرے دل میں سمائے وہی ہے میرا جہاں

آنے والے شاعر کے نام

مجھ کو دُنیا سے رُخصت ہوئے سینکڑوں سال گزُرے
اِک زمانہ ہوا
اِک زمانہ ہوا
جب یہ سادہ سے دو چار اشعار
میں نے کہے تھے
ان اشعار کو میں نے قاصد بنا کر
روانہ کیا تھا
نہ جانے کدھر سے
وہ کن راستوں سے
کہاں سے
گزرتے رہے ہیں
میں اُن راستوں سے تو گزرا نہیں ہوں
مجھ کو اُن راستوں کی خبر بھی نہیں

اے مرے دوست
تم تو ابھی اس جہاں میں بھی آئے نہیں ہو
میں نے صورت تمھاری بھی دیکھی نہیں
اور تم مجھ کو پہچانتے جانتے ہی نہیں
تم مگر میرے اشعار کو دیکھ لینا
شب کی تنہا خموشی
آرمیدہ فضا میں

یہ اشعار ہیں
ایک شاعر کے
ایک نوجوان کے
تم کو تو دوست میں دیکھ سکتا نہیں
ہاں مری رُوح تم سے یقیناً ملے گی
تم کو سمجھائے گی
تم سمجھ جاؤ گے

اے وادیٔ کشمیر

ہر گوشہ ترا گلشنِ فردوس کی تصویر
حوروں کے، فرشتوں کے حسیں خواب کی تعبیر
اے وادیٔ کشمیر

ہر چشمۂ کہسار ترا چشمۂ سیماب
ہر جھونکا ہواؤں کا تری نغمۂ بے تاب
ہر سانس مکینوں کا تری نعرۂ تکبیر
اے وادیٔ کشمیر

جاگا ہے ترا قلب ترے ذوقِ یقیں سے
پیدا ہے ترا عزم تری چینِ جبیں سے
اِک دیدۂ بے خواب ہے ہر حلقۂ زنجیر
اے وادیٔ کشمیر

جب قلب میں احساسِ خودی ہوتا ہے بیدار
ہر موجِ نفس بنتی ہے شمشیر جگر دار
تقدیر کا خود روپ بدل لیتی ہے تدبیر
اے وادیٔ کشمیر

تم آسماں کی طرف نہ دیکھو

تم آسماں کی طرف نہ دیکھو
یہ چاند، یہ کہکشاں، یہ تارے
یُونہی چمکتے رہیں گے سارے
یُونہی ضیا بار ہوں گے دائم
یہی رہے گا نظام قائم
تم آسماں کو جو دیکھتے کیا
کرو نظارہ دلِ حزیں کا
غمِ محبّت کے داغ دیکھو
یہ ٹمٹماتے چراغ دیکھو
ہے چند روزہ نمود ان کی
نہیں ہے کچھ اعتبارِ ہستی
یہ شمع خاموش ہو نہ جائے
یہ بختِ بیدار سو نہ جائے

تم آسماں کی طرف نہ دیکھو
یوں ہی سدا جلوہ بار ہوگی
ہزار کیا، لاکھ بار ہوگی
ہٹا لو آنکھ اپنی چرخ پر سے
نظر ملاؤ مری نظر سے
اِن آنسوؤں کی بہار دیکھو
رواں ہے آبشار دیکھو
ہے چند ہی دن کی یہ روانی
رہے گی کب تک یہ زندگانی
یہ قلب خوں ہو کے بہہ نہ جائے
یہ چشمہ بہہ بہہ کے رہ نہ جائے
تم آسماں کی طرف نہ دیکھو

بُت تراش

اِک فسوں کار بُت تراش ہوں میں
زندگی کی طویل راتوں کو
بارہا لے کے تیشۂ افکار
بُت تراشے ہیں سینکڑوں میں نے
ترے سانچے میں ڈھلنے کے لیے

چاند سے نُورِ مرمریں لے کر
تیرا سیمیں بدن تراش لیا
مہر سے تابِ آتشیں لے کر
تیرے رنگیں لبوں کا روپ دیا
لے کے طُوبیٰ کے عنبریں سائے
تیری زلفوں کے بال مہکائے
گھُوم کر خلد کی فضاؤں میں
سرمدی سرخوشی اُٹھا لایا
رنگ بھر کر تری اداؤں میں
ابدی راحتوں کو شرمایا

لے کے سیمائے حُور کی تقدیس
چھین کر میں نے قدسیوں کا وقار
زندگی دی تری نگاہوں کو
اور بنائیں تری حسیں آنکھیں
نظرِ بد کہیں نہ لگ جائے
میں نے تاروں سے چھین لیں آنکھیں
پھر بھی میں تجھ سے دُور دُور رہا
پھر بھی تجھ سے نہ مل سکیں آنکھیں

یوں تو اِک کُہنہ بُت تراش ہوں میں
زندگی کی طویل راتوں کو
بار ہا لے کے تیشۂ افکار
بُت تراشے ہیں سینکڑوں میں نے
بُت تراشے ہیں توڑ ڈالے ہیں

کٹ گئی رات .....

کٹ گئی رات مگر پھر بھی اُجالا نہ ہُوا

یہ اندھیرا تو اندھیروں کی سیہ تابی ہے
شب کے جاگے ہوئے تاروں کی گراں خوابی ہے

آفتاب ایک تہی مایہ، تہی دست ایاغ
ایک سہما ہُوا، سمٹا ہوا خاموش چراغ
غمزدہ رات کے سینے کا سُلگتا ہوا داغ

جو غم و درد کے طوفانِ اثر سے نہ بُجھا
میری افسردگیِ خونِ جگر سے نہ بُجھا

یہ گاؤں* ہمارا

دیکھو اُفقِ مشرق نے کیا نُور اُچھالا
ہر سمت اُجالوں میں ہوا اور اُجالا
ہر رہ کے گلے میں ہے نئی حُسن کی مالا
لاہور میں اُبھرا ہے نیا صبح کا تارا
یہ گاؤں ہمارا

یاں ہوتا ہے ہر درد کا درماں میسّر
بے آسوں کو ہے آس کا ساماں میسّر
بے جانوں کو ہے جینے کا ارماں میسّر
ملتا ہے یہاں ڈوبنے والوں کو کنارا
یہ گاؤں ہمارا

اللہ کا احسان ہے اللہ کی رحمت
ہر طرح کا آرام ہے ہر طرح کی راحت
ملتی ہے یہاں بھائی کو بہنوں کی محبّت
ہر ایک کو ہے شفقتِ مادر کا سہارا
یہ گاؤں ہمارا

* مطبوعہ "پاکستان ٹائمز" لاہور ۲ جنوری ۱۹۷۸ء ص ۴

ON OPENING CEREMONY OF S.O.S VILLAGE
BY ZIA-UL-HAQ

میں آ رہا ہوں

(اہلیہ مرحومہ کی یاد میں ایک نظم)

میں جانتا ہوں
یہ رات کو چپکے چپکے خوابوں میں
یوں ترا بار بار آنا
وہ سہمے سہمے ہوئے سے رُکنا
وہ بے کسی میں قدم اُٹھانا
وہ حسرتِ گفتگو میں تیرے
خموش ہونٹوں کا تلملانا
سمجھ گیا ہوں
میں جانتا ہوں
کہ مجُھ سے ملنے کی آرزو
تجھ کو کیسے بے تاب کر رہی ہے
مگر مری جان!

تُو ایسی منزل پہ جا رہی ہے
جہاں سے پیچھے کو
لوٹ آنے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے
تو پھر ہوا کیا
جہاں یہ بے روز و شب کے اتنے
طویل لمحے گزر گئے ہیں
کچھ اور دل کو ذرا سنبھالو
کچھ اور ابھی انتظار کر لو
میں آ رہا ہوں
میں آ رہا ہوں

جواں سال مصباح کی اچانک موت پر

نوحہ

کیوں چھین کے گلشن سے قضا لے گئی تجھ کو
تو موجۂ گل تھی کہ صبا لے گئی تجھ کو

رکھا تھا چھپا کر تجھے اپنی بھی نظر سے
دزدیدہ نظر کس کی چرا لے گئی تجھ کو

رہ دیکھتے ہی رہ گئے اربابِ محبت
کس سمت تری خوئے وفا لے گئی تجھ کو

ہم لوگ تو بیٹھے تجھے دیتے رہے آواز
یہ کون سی آوازہ بلا لے گئی تجھ کو

جینے کا قرینہ ترے شایاں نہیں تھا
راس آگئی مرنے کی ادا، لے گئی تجھ کو

کیوں چھوڑ گئی زندوں کو گردابِ بلا میں
کیا موجِ بلا آئی بہا لے گئی تجھ کو

تُو مرگِ جوانی کی سزاوار نہیں تھی
کس جرمِ محبت کی سزا لے گئی تجھ کو

○

حیف یوں موت نے چھینا ترے جوبن کا شباب
نازنیں رُخ پہ گراں ہے ترے تُربت کا نقاب
تیری اس خاک پہ لہرائیں گے برگِ لالہ
آمدِ فصلِ بہاراں کا ہو جیسے سایہ
اِک طرف سروِ بیاباں کا خرامِ معصوم
اِک طرف آبِ سبک رَو کے کنارے ترا غم
مضمحل سر پہ اُٹھائے تری یادوں کا ہجوم
خواب آلودہ خیالات میں غرقِ ماتم
یوں چلا جائے کہ جیسے کوئی رفتار نہ ہو
ڈر رہا ہوں کہیں تُو خواب سے بیدار نہ ہو
جانتا ہوں کہ یہ آنسو ہیں ہمارے بے کار
موت کو کس کی تباہی کا اَلَم ہوتا ہے
وہ دبا سکتی نہیں سوختہ جانوں کی پُکار
رونے والوں کا یہ رونا کہیں کم ہوتا ہے
اور تُو کہتا ہے ہم اس طرح غمناک ہیں کیوں؟
چہرہ کیوں زرد ہے؟ آنکھیں تری نمناک ہیں کیوں؟

عِفّت جواں مرگ کی وفات پر

فی البدیہہ اشعار

زیست کی راہ میں
تُو نے کل ہی تو رکھا تھا پہلا قدم
یہ سفر تھا کٹھن
جانے کیا تھی لگن
نہ بدن میں تھکن
نہ جبیں پر شکن
تُو نے ہنس ہنس کے
اِس زندگانی کی غایت کو پا لیا
اور ہم
اِس کے افسردہ، پژمُردہ، پُرپیچ راہوں میں
کھوئے ہوئے گھومتے رہ گئے

فراقِ پیہم

(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

وہ صُبح جس دم جُدا ہوئے ہم
ترا وہ زرد اور سرد چہرہ
مری جبیں کا وہ شبنمی نَم
تری نگہ بے بسی کی صورت
مری نظر بے دلی کا عالم
وہ ایک لمحہ تھا ایک سایہ
کہ جس میں پنہاں تھا آج کا غم
محبتوں سے نظر بچا کر
دلوں کے آغوش سے اٹھا کر
نہ کوئی دستک، نہ کوئی آہٹ
قضا تجھے لے گئی چرُا کر
خبر نہیں تھی وہ ایک لمحہ
وہ لمحہ تھا اِک فراقِ پیہم
وہ لمحہ جس دم جُدا ہوئے ہم
کہ بعد جس کے نہ مل سکے ہم

تخلیقِ سیمیا

عجب خواب کی دُنیا ہے ذہنِ انسانی
ہزار نقش خیالی اُبھرتے رہتے ہیں
تصوّرات کے گیسو بکھرتے رہتے ہیں
عروسِ زیست کے تیور سنورتے رہتے ہیں
رواں ہے یونہی یہ تخلیقِ سیمیا لیکن
کسے خبر کہ وہاں جنبشِ قلم کیا ہے؟
جو نقش لوحِ ازل پر ہوا رقم کیا ہے؟

نظمیں

جو امریکہ میں لکھی گئیں

رات پھر آگئی

دن ہوا ختم رات آگئی
جاگ اٹھی نئی اک فضا
بے صدا، بے سخن
اک سنّاٹا
ہنگامہ زاروں پر چھایا ہُوا ہر طرف
گُم ہے دستِ عمل
چپ ہیں لوح و قلم
سو گئے عِلم و فن
سو گئی زندگی
جاگ اے دل! تخیّل کی پرواز کی شاہراہیں کھُلیں
دیکھ آکاش خاموش تاریکیوں میں ستارے لیے
مضطرب، مشتعل، گنگناتے اشارے لیے
تک رہا ہے تجھے
دیکھو فطرت کی معصوم سادہ جبیں کی لکیروں میں پوشیدہ افکار کے
شاہکاروں کے عنوان سجائے ہوئے
رات پھر آگئی

امریکہ میں لکھی گئی (۱۹۷۳ء)

ایک زردشتی لڑکی سے

کیا عجب باہمی رفاقت ہے
کیا عجب شانِ دوستداری ہے
میں بھی اِک آگ کا پجاری ہوں
تُو بھی اِک آگ کی پُجاری ہے
ہے مگر تیری آگ چند شرر
اور مِری آگ آتشیں پیکر
تُو تو ہے روشنی کی شیدائی
اور پروانہ حُسن کا ہوں میں
تُو فقط دیکھتی ہے شعلوں کو
اور شعلوں میں جل رہا ہوں میں

امریکہ میں لکھی گئی (۱۹۷۳ء)

اک حسینہ کی یاد

میرے خوابوں کے جزیرے کی مکیں
اِک درخشندہ جبیں
حُسن کا نقشِ نگیں
آئی تھی مرے قریں
کھو گئی آکے کہیں
ہے مگر مجھ کو یقیں
ہے یہیں دُور نہیں
مرے خوابوں کے جزیرے میں کہیں

امریکہ میں لکھی گئی (۱۹۷۳ء)

تنہائی

تنہائی کی رات
گرمی
اور برفانی رات
تنہائی کی رات

تارے
سرد شرارے
چاندنی
ٹھنڈی دُھوپ

رات
اندھیاروں کی
گرم تہوں سے
لپٹی ہوئی ہے
کانپ رہی ہے
تنہائی کی رات

ووسٹر (امریکہ) ۱۹۷۳ء

نظم

زندگی دُور ہوئی جاتی ہے
اور کچھ میرے قریب آجاؤ
جلوۂ حُسن کو کچھ اور ضیا ریز کرو
اپنے سینے سے اُبھرنے والے
آتشیں سانس کی لَو تیز کرو
میری اِس پیریٔ درماندہ کی
خنک اور خستہ سی خاکسترِ افسردہ میں
سوزِ غم کو شَرر انگیز کرو
یوں ہی پل بھی ہی سہی
اور میرے قریب آجاؤ
زندگی دُور ہوئی جاتی ہے

امریکہ میں لکھی گئی (۱۹۷۳ء)

پانی کی بوند

پانی کی بوند ہوں میں
پانی کی بوند ہے تُو

میرے سینے میں بھی دِل
تیرے سینے میں بھی دل

میرا دل قطرۂ خوں
تیرا دل قطرۂ خوں

میں مگر تجھ سے الگ
اور تُو مجھ سے الگ

بوند سے بوند جُدا
قطرے سے قطرہ جُدا

بوند کا ڈھنگ ہے کچُھ
خُون کا رنگ ہے کچُھ

پانی گُل رنگ مرا
تیرا بے رنگ لہو

پانی کی بوند ہوں میں
پانی کی بوند ہے تُو

صبح کو کیا ہُوا

شام کی لاش کو
اپنے کندھے پہ ڈالے ہوئے
دل کے آغوش میں
صبح کی جستجو کو دبائے ہوئے
رات کے فاصلے
اِتنی بے خوابیوں کے کٹھن فاصلے
فاصلے فاصلے
اِتنی بے تابیوں کی کڑی منزلیں
منزلیں منزلیں
کاٹتے کاٹتے

گھومتے گھومتے
صبح کو ڈھونڈتے
میں یہاں آ گیا
صبح کو کیا ہُوا
شاید آئی نہیں
آئی تھی کھو گئی
میں یہیں پہ کھڑا
دیکھتا رہ گیا
صبح کو کیا ہُوا !

امریکہ میں لکھی گئی (۱۹۷۳ء)

بند ہو جائے مری آنکھ اگر

بند ہو جائے مری آنکھ اگر
اِس دریچے کو کھُلا رہنے دو
یہ دریچہ ہے اُفق آئینہ
اِس میں رقصاں ہیں جہاں کے منظر
اِس دریچے کو کھُلا رہنے دو
اِس دریچے سے اُبھرتی دیکھی
چاند کی شام
ستاروں کی سحر
اِس دریچے کو کھُلا رہنے دو

اِس دریچے سے کیے ہیں میں نے
کئی بے چشم نظارے
کئی بے راہ سفر
اِس دریچے کو کھُلا رہنے دو

یہ دریچہ ہے مرے شوق کا چاکِ داماں
مری بدنام نگاہیں، مری رُسوا آنکھیں
یہ دریچہ ہے مری تشنہ نظر
بند ہو جائے مری آنکھ اگر
اِس دریچے کو کھُلا رہنے دو

امریکہ میں لکھی گئی (۱۹۷۳ء)

ووسٹر

ووسٹر، ووسٹر
تجھ کو معلوم ہے
تیری وادی و صحرائے گلپوش ہیں
تیری رنگیں فضاؤں کے آغوش میں
کس کے فن کار ہاتھوں کی تخلیق کے
شاہکاروں کی رعنائیاں جلوہ افروز ہیں
میرا لختِ جگر، مری نورِ نظر
اِک کا سوزِ نفس
اِک کا سازِ نفس
موجۂ جذبۂ کیف میں ڈوب کر
رنگ و آہنگ کا امتزاجِ حسیں
پیکرِ دلنشیں

بن کے اُبھرا یہاں
جس کے حُسن درخشاں کے نُور سے
جگمگائی تری بزم علم و ہُنر
جاگ اُٹھا تیرا ہنگامۂ روز و شب
گنگنانے لگے تیرے شام و سحر
اے مرے بے خبر ووسٹر
دیکھ اِدھر
تجھ کو آباد، شاد و جواں دیکھ کر
کس قدر
ہے مسرّت سے لبریز مری نظر
ووسٹر ووسٹر ووسٹر

امریکہ کے شہر ووسٹر میں لکھی گئی (۱۹۷۳ء)

ﷺ

دیکھو شبِ ہجر کی درازی دیکھو!
آشوبِ الم کی جانگدازی دیکھو!
دیکھو تو ذرا نیازمندی میری
اور اس پہ تم اپنی بے نیازی دیکھو!

ﷺ

یہ سازِ طرب یہ شادمانی کب تک
یہ کیف شرابِ ارغوانی کب تک
آ ہوش میں، آنکھ کھول، فردا کو نہ بھول
مانا کہ جواں ہے تو جوانی کب تک

ﷺ

ہاں نغمۂ آتشیں سُنا دے مُطرب!
سینے میں اک آگ سی لگا دے مُطرب!
آواز میں کر تموّج ایسا پیدا
جو ارض و سما کو بھی ہلا دے مطرب!

❖

شاداں ہوں کہ غمناک، پیے جاتا ہوں
ہُوں دشمنِ افلاک، پیے جاتا ہوں
دنیا مجھے مے نوش کہے جاتی ہے
اور میں ہُوں کہ بیباک پیے جاتا ہوں

❖

آغوش میں آکہ کامرانی کر لُوں
کچھ روز خوشی سے زندگانی کر لُوں
اِک جام مے طرب پلا دے ساقی
فانی ہے حیات، جاودانی کر لُوں

❖

فانی ہے یہ دورِ زندگانی ساقی
یہ عیش نہیں ہے جاودانی ساقی
لا بادۂ ناب اور دے جام پہ جام
پھر وقت کہاں، کہاں جوانی ساقی

☆

دنیا کا عروج اور پستی کیا ہے
کیا ہے یہ خمار اور مستی کیا ہے
مل جائے جو کائناتِ عشرت بھی تو ہیچ
انجام ہے نیستی تو ہستی کیا ہے

☆

یہ شوقِ شراب و جام و مینا کیسا
ساقی نہیں تُو اگر، تو پینا کیسا
آنکھوں سے نہاں ہے تُو، تو ہستی کیا ہے
آغوش میں تُو نہیں تو جینا کیسا

☆

ہے رُوحِ حیات زندگانی تیری
ہے جانِ نشاط شادمانی تیری
جلووں سے ترے ہے ذرّہ ذرّہ رقصاں
فطرت کا شباب ہے جوانی تیری

٭

افسانۂ غم ہے شادمانی میری
میں کون ہوں اور کیا جوانی میری
ہنستا ہوں کہ مقتضائے ہستی ہے یہ
روتا ہوں کہ زندگی ہے فانی میری

٭

گر ناز و نیاز میں قِراں ہو جائے
یہ موجبِ وصل جاوداں ہو جائے
محویتِ سجدہ کر یہاں تک پیدا
پیشانی بھی جزوِ آستاں ہو جائے

٭

مے خانہ بدوش ہے جوانی تیری
غارت گرِ ہوش ہے جوانی تیری
ہے تیرے بغیر سازِ ہستی خاموش
دُنیائے خروش ہے جوانی تیری

٭

آساں نہیں حالِ دل عیاں ہو جانا
خاموشی سے تم نہ بدگماں ہو جانا
خودداریٔ عشق نے سکھایا مجھ کو
دل دے کے کسی کو بے زباں ہو جانا

٭

آنکھوں میں خمارِ شوق افزا لے کر
جذبات کی اک خموش دنیا لے کر
آ جائے کوئی پیوں، پلاؤں، جھوموں
بیٹھا ہوں سبُو و جام و صہبا لے کر

٭

سب صبر و شکیب و ہوش کھو دیتا ہوں
کرتا ہوں کسی کو یاد رو دیتا ہوں
اُمیدوں کا اِک جہان کر کے آباد
طوفان میں یاس کے ڈبو دیتا ہوں

ٌ

تسکینِ وصال و رنجِ فرقت کیا ہے
کیا ہے یہ کشاکشِ محبّت کیا ہے
اے رازِ حیات کے سمجھنے والو!
انسان کے قلب کی حقیقت کیا ہے

ٌ

اربابِ وفا کی جانگدازی دیکھی
اور اس پہ ستم کی سرفرازی دیکھی
مفلس کا نیاز ہو کہ منعم کا غرور
ہر چیز میں تیری بےنیازی دیکھی

ٌ

محرومیِ آرزو کا شکوہ کرنا
ہے رنج میں اور رنج پیدا کرنا
جب بحرِ الم میں ڈوبتا ہو انساں
اللّٰہ پہ چاہیے بھروسا کرنا

٭

برسات کی چھا گئیں گھٹائیں ساقی
مے خانہ بدوش ہیں ہوائیں ساقی
ہر ذرّہ سُرور کی بنا ہے تصویر
آ ہم بھی ذرا پئیں پلائیں ساقی

٭

سینے میں اچھل رہی ہے حسرت میری
آنکھوں میں تڑپ رہی ہے حیرت میری
سُنتا ہوں ہر ایک شے میں پنہاں ہے تُو
اس پر بھی نہ تُو ملے تو قسمت میری

٭

اے حُسن نشاطِ زندگانی ہے تُو
فانی ہے جہان، جاودانی ہے تُو
ہیں قدرتِ حق کے تجھ میں پنہاں جلوے
فطرت کی خموش ترجمانی ہے تُو

☆

جوروستم فراق سہنا سیکھا
اور ضبط سے حالِ دل نہ کہنا سیکھا
غفلت کا طلسم تھا وہ جوشِ فریاد
بیدار ہوئے خموش رہنا سیکھا

☆

ہر ذرّے میں تیری جلوہ زائی دیکھی
ہر قطرے میں تیری خود نمائی دیکھی
جس چیز کو غور کرکے دیکھا ہم نے
اس میں تری شانِ کبریائی دیکھی

غنچے سے ہے غنچۂ گل سے گل بیگانہ
شاخوں نے بھی پتّوں کو نہیں پہچانا
یہ صحنِ چمن ہے یا خزاں کا مسکن
محفل ہے کہ تنہائیوں کا اک ویرانہ

آئے ہیں یہ راہ رَوِ دیارِ شب سے
چہرے آلودہ ہیں غُبارِ شب سے
لائے ہیں یہ شام کے دھندلکے ہمراہ
آئے ہیں گزر کے رہگزارِ شب سے

یوں لوح و قلم کے رازداں ہیں ہم لوگ
اسرارِ جہاں کے ترجماں ہیں ہم لوگ
ہے اپنے بھی دل کی بات کہنا مشکل
خاموشیِ دل کے پاسباں ہیں ہم لوگ

یہ عرصۂ دہر کیا ہے اِک محشرِ خاک
ہر شے کے عرض میں ہے نہاں جوہرِ خاک
یہ مہر، یہ مہتاب، یہ انجم کا ہجوم
پھیلی ہوئی ایک مُشتِ خاک بر سرِ خاک

یہ ولولۂ جنوں ہے اور فرزانہ
دیوانے کو کون اب سکے دیوانہ
ہوش و دیوانگی کا عالم معلوم
اے ہمدمِ ہمنوا کوئی افسانہ

دُکھ درد ہیں زندگی میں کیا کیا ہمدم
کس کس کا علاج تم سے ہوگا ہمدم
کانٹوں کی کسک تو دُور کر دی تُم نے
پھُولوں کی کسک کا بھی مداوا ہمدم

کیفیتِ مے کو کیا ہوا ہے ساقی
ہر شے پہ خُمار چھا رہا ہے ساقی
میخانے میں یہ فسُردگی کا عالم
مُطرب کی نوا بھی بے صدا ہے ساقی

ہر زہر کو تریاق سمجھ کر پی لو
تلخی کوئی اُبھرے تو لبوں کو سی لو
ہر سانس میں موت تِلملانے لگ جائے
جینا ہے اگر یہی تو بے شک جی لو

تیرے جسمِ آتشیں پہ یہ چمکتا پیرہن
اِک دہکتی آگ کا شعلہ ہے گویا پیرہن
عمر کٹ جائے تو شاید یہ بھی پھٹ جائے کہیں
زندگی کے جسم پہ ہے غم پرانا پیرہن

پھولوں کو فسردہ جاں نہ دیکھا جائے
بلبل کا دلِ تپاں نہ دیکھا جائے
نرگس نے چمن میں بند کرلیں آنکھیں
نظارۂ گلستاں نہ دیکھا جائے

اِنساں میں رُوحِ آدمیّت بھی نہیں
حیواں ہی بن جائے یہ ہمت بھی نہیں
کل اپنے عروج پہ تھی حیرت اُس کو
آج اپنے زوال پہ ندامت بھی نہیں

کہتے ہیں وفا شعار دُنیا میں نہیں
اس پیار کا اعتبار دُنیا میں نہیں
جب چاہو اُسے گلے لگا لو اے دوست
غم کا کوئی دوست دار دُنیا میں نہیں

دل زارِ حیات سے رہا بیگانہ
ہے حاصلِ زیست اِک یہی افسانہ
اِک عمر گذر گئی ہے جلتے جلتے
ہم شمع ہی بن سکے نہ ہم پروانہ

یا قلب کو درد میں ڈبونا سیکھو
یا ضبط سے ہمکنار ہونا سیکھو
اِس حُسن کو دیکھتے رہوگے کب تک
جلووں کو نگاہ میں سمونا سیکھو

اُس زیست سے تنگ آکے روئے ہم لوگ
اِس زیست کا راز پاکے روئے ہم لوگ
ہنسنا تھا کسی کے سامنے کیا ہنستے
روئے تو نظر بچاکے روئے ہم لوگ

اب ولولے عشق کے تمنّا میں نہیں
مجنوں کوئی جستجوئے لیلیٰ میں نہیں
جانے گزرے ہیں کس طرح سے راہرو
اک نقشِ قدم بھی ریگِ صحرا میں نہیں

یہ مرحلہ ہائے شوق توبہ توبہ
اِس عمر میں طے کرے گا انساں کیا کیا
رفتار ہے راہرو کی ذرّہ ذرّہ
اور شوق کی منزلیں ہیں صحرا صحرا

ہے فطرتِ زن رمیدہ آہو کی طرح
چھُو لو تو لرز جائے لجالو کی طرح
اِس حُسن کے پھُول کو سنبھل کر دیکھو
اُڑ جائے نہ کہیں یہ بھی خوشبو کی طرح

یوں کون سی چیز ہے جو دُنیا میں نہیں
آنسو سا گہر جہانِ پیدا میں نہیں
اس قطرے میں کائناتِ غم ہے پنہاں
اس قطرے کی وسعتیں تو دریا میں نہیں

ہر درد کو کر لیا گوارا میں نے
طوفاں کو سمجھ لیا کنارا میں نے
جو اشک بھی میری چشمِ تر سے ٹپکا
قسمت کا بنا لیا ستارہ میں نے

خاموشی کا راز کھولنا بھی سیکھو
آنکھوں کی زباں سے بولنا بھی سیکھو
لب کیسے کہیں گے دل کی ساری باتیں
نظروں سے نظر ٹٹولنا بھی سیکھو

یہ پھول چمن کو کیا سنواریں ساقی
کانٹوں میں اُلجھ گئیں بہاریں ساقی
افسردہ فضا میں گھُٹ رہی ہیں سانسیں
اب قہقہے باقی نہ پکاریں ساقی

قطعات

✤

پوچھتا کیا ہے ہم نشیں مجھ سے
کس لیے ضبطِ آہ کرتا ہوں
کہ تو دوں تجھ سے حال دل اپنا
تیری غمخواریوں سے ڈرتا ہوں

✤

لہو فقیروں کا سوزِ یقیں سے تھا جب گرم
وہ نوچتے تھے گریباں بادشاہوں کے
رہی نہ سینے میں جس دم حرارتِ ایماں
سمٹ کے رہ گئے گوشوں میں خانقاہوں کے

✤

سدا اُلجھے رہیں تسبیح و زنار
یہی کوشش ہے شیخ و برہمن کی
یہ ناموسِ وطن کے ہیں نگہباں
الٰہی خیر ناموسِ وطن کی

٭

اُٹھاتے ہیں مزے جور و ستم کے
کچھ ایسے خُوگرِ بیداد ہیں ہم
قفس کی تیلیاں ٹوٹیں تو پھر کیا
اسیرِ الفتِ صیّاد ہیں ہم

٭

جاری ہے خرام زندگی کا
رُکتا نہیں گام زندگی کا
اِنساں غمِ مرگ سے ہے فانی
بدنام ہے نام زندگی کا

٭

اے دوست نہ پوچھ مجھ سے کیا ہے
بے تابیِ عشق کا فسانہ
انسان کی زندگی ہے فانی
اور دل کی تڑپ ہے جاودانہ

٭

عشق کی ابتدا ہے سوزِ دروں
عشق کی انتہا ہے ذوقِ نگاہ
دل اگر سرد ہے تو عشق جنوں
اور اگر پست ہے نظر تو گناہ

٭

علم کے تھے بہت حجاب مگر
حُسن کا سحر پُر فسوں ہی رہا
عقل نے لاکھ کی عناں گیری
عشق آمادۂ جنوں ہی رہا

٭

وہی چمن کی اُداسی، وہی فسُردہ فضا
وہی ملُول نگاہیں، وہی دلوں کی کسک
نہ جانے کس کے لیے لے کے آئی صبحِ بہار
لپک صبا کی، گلوں کی مہک، کلی کی چٹک

٭

آرزو کا گداز افسردہ
شمعِ غم کی بجھی بجھی تنویر
آ کہ یہ زندگی ہے تیرے بغیر
اِک پریشان خواب بے تعبیر

٭

آج کچھ مضمحل سی یادوں کے
یوں سلگنے لگے ہیں افسانے
جیسے اِک نیم سوز شمع کے گرد
سِسکیاں لے رہے ہوں پروانے

٭

ان مرمریں بازوؤں میں شعلوں کا گداز
ان مدبھری تانوں کی عقابی پرواز
مینائیں کھُلی ہُوئیں شرابی رس میں
یا حُوروں کے ناز میں ملائک کا نیاز

٭

محبت ہے وہ طوفانِ بلاخیز
کہ موجیں بھی کنارا ڈھونڈتی ہیں
مگر کیا ہمتیں ہیں اہلِ دل کی
محبت کا سہارا ڈھونڈتی ہیں

٭

عالمِ درد بھی اک شان ہے زیبائی کی
تم بھی اس رُوپ میں اک روز سنور کر دیکھو
میں نے مانا کہ وفا ایک کٹھن منزل ہے
ہو سکے تو کبھی اس رہ سے گزر کر دیکھو

٭

جوانی کے زمانے یاد آئے
محبت کے فسانے یاد آئے
بھلانے پر بھی اُن کی یاد آئی،
مجھے وہ ہر بہانے یاد آئے

❋

اے درخشندہ ماہتاب بتا
ان ستاروں کی بزم میں رہ کر
کتنی ہنگامہ آفریں راتیں
ہم نے تنہائیوں میں کاٹی ہیں

❋

کتنی ہنگامہ خو تمنّائیں
مضمحل ہو کے رہ گئیں دل میں
جیسے طوفاں کی مضطرب موجیں
سو گئی ہوں کنارِ ساحل میں

❋

دل کی ہر آرزو ہے خوابیدہ
اب نہ وہ کیفیّت، نہ سوز، نہ رنگ
ہر نظر ایک شعلۂ بے نور
ہر نفس ایک سازِ بے آہنگ

ؐ

آنسوؤں میں الم کا رنگ نہ تھا
قہقہوں میں خوشی کی بات نہ تھی
تھے عجب ڈھنگ زندگانی کے
کوئی بھی زندگی کی بات نہ تھی

ؐ

ہر خزاں غارت گر چمن ہی سہی
پھر بھی اک سرخوشی بہار میں ہے
موت پر اختیار ہو کہ نہ ہو
زندگی اپنے اختیار میں ہے

ؐ

ترے فراق میں زہراب غم پیے جاؤں
ہزار موت کے صدمے سہوں جیے جاؤں
بغیر دوست کے جینا گناہ ہے لیکن
جو تُو کہے تو یہ بھی گناہ کیے جاؤں

تُو ہے مرا ہمصفیر، میں ہوں ترا ہمصفیر
دونوں کی عادت الگ، دونوں کی قسمت جُدا
ایک سراپائے قال، ایک سراپائے حال
تیری صدا نغمہ ریز، میری صدا بے نوا

تمنّا کچھ تو لے آتی ہے لب پر
یہ کچھ قصّے سناتی ہے نظر سے
مگر ہے آنکھ ایسی راز پرور
نظر کو بھی چھپاتی ہے نظر سے

اگر قلبِ تپاں کی آرزو ہے
لپٹ جا کر کسی خونیں جگر سے
نگاہیں کیوں جمی ہیں بُوالہوس پر
ملے گا کیا چراغِ رہگذر سے

وفورِ کاہشِ پیہم سے تیرا جسمِ نزار
ترے شعور کا بارِ گراں اُٹھا نہ سکا
پگھل کے خون ہوا قلبِ نازنیں تیرا
یہ جامِ تُندیٔ صہبا کی تاب لا نہ سکا

نہ جانے کٹ گیا کس بے خودی کے عالم میں
وہ ایک لمحہ گزرتے جسے زمانہ لگے
وہ ذوق و شوقِ محبّت کی واردات نہ پوچھ
جو آج خود بھی سنوں میں تو اِک فسانہ لگے

یہ جاں فروشیاں ترے کس کام آئیں گی
بے کار پھر رہے ہیں یہاں تو بدن فروش
سودا وہی ہے آج بھی بازارِ عشق کا
ہاں کوئی نو فروش ہے کوئی کہن فروش

جو سفر بھی تھا زندگانی کا
یُونہی بے رسم و راہ ہم نے کیا
خُود گناہوں کو شرم آئی ہے
ایسا ایسا گناہ ہم نے کیا

—

یہ ہوائیں تو موافق تھیں بہت
کیوں ہواؤں نے ڈبو دی کشتی
ایک طوفاں کے تنّاور نے کہا
ناخداؤں نے ڈبو دی کشتی

—

گزرتے تھے اِدھر سے اور اُدھر سے
اچانک ہو گئے اوجھل نظر سے
کہاں ہیں اس مکاں کے رہنے والے؟
اُبھرتی ہے صدا دیوار و در سے

قطعۂ تاریخ

سال غلام فرید (لائل پور)
ہے عجب چیز یہ دار فانی
ہے یہ گویا دردِ بستِ شیشہ
ایک شیشہ ہے حیاتِ انساں
اور ہے موت شکستِ شیشہ

۱۳۹۵ھ

ہے ہے غلام فرید ۱۳۹۵ھ

گیت

اپنا اپنا غم

اپنا اپنا غم کھاؤ اور اپنا اپنا درد سہو
جھوٹے آنسو بہتے ہیں اور جھوٹے ماتم ہوتے ہیں
غیر کا دُکھڑا سننے والے اپنا دکھڑا روتے ہیں
اپنے من کی بات سنو اور اپنے دل سے راز کہو
اپنا اپنا غم کھاؤ اور اپنا اپنا درد سہو

شمع کے جلنے شیدائی ہیں سب اپنے دیوانے ہیں
اپنی آگ میں سب جلتے ہیں سب اپنے پروانے ہیں
اپنے ہی سب ناز اُٹھاؤ اپنے ہی غم خوار رہو
اپنا اپنا غم کھاؤ اور اپنا اپنا درد سہو

ہر دل اک دیوار ہے جس کو پھاند سکیں نہ توڑ سکیں
اُلفت ایک چھلاوہ ہے جس کو روک سکیں نہ چھوڑ سکیں
جیون اک ٹوٹی سی نیا جو ہر دم منجدھار میں ہو
اپنا اپنا غم کھاؤ اور اپنا اپنا درد سہو

اپنا راج

لاکھ مُصیبت اِک سُلجھاؤ	لاکھ بگاڑ اور ایک بناؤ
لاکھ دُکھوں کا ایک علاج
اپنے دیس میں اپنا راج

خود ہی بگڑنا خود ہی سنورنا	اپنے بل پر آپ اُبھرنا
اپنے ہاتھ میں اپنی لاج
اپنے دیس میں اپنا راج

اپنی عدالت اپنی گواہی	اپنی حکومت اپنی شاہی
اپنا تخت اور اپنا تاج
اپنے دیس میں اپنا راج

گیت

باوری پازیب ، سوئی آگ جگائے
کون اُسے سمجھائے
اس کی یہ جھنکار، راگ ہے میٹھا راگ
گونج اُٹھے ہیں، گونج اُٹھے ہیں
میرے من کے تار
کون اُسے سمجھائے
اس کی یہ جھنکار، آگ ہے گویا آگ
باوری پازیب کا ہے شور مچائے
کون اسے سمجھائے
کون سُنے فریاد تمھاری، پی کو اپنی نیند ہے پیاری
پی کو کون جگائے
باوری پازیب کا ہے شور مچائے
میرے پی کی مست جوانی، میٹھے سپنے نیند سہانی
اور بھی جھوم نہ جائے
باوری پازیب کا ہے شور مچائے

گیت

سجنی میں پی بن دکھیاری
ہلکے ہلکے ہولے ہولے
نیناں چھلکے ہردا ڈولے
لاگی پریم کٹاری سجنی میں پی بن دکھیاری
جب سے پی پردیس سدھارے
ڈوب گئے سب چاند ستارے
رین ہوئی اندھیاری سجنی میں پی بن دکھیاری
سندر موہن بالم آؤ
مجھ دکھیا کو مت ترپاؤ
تم جیتے میں ہاری
سجنی میں پی بن دکھیاری

گیت

دل کے یہ افسانے، دنیا کیا جانے   دل خود بھی نہ جانے، دنیا کیا جانے
کبھی لب کی ہنسی ہوتی ہے نوحہ زندگانی کا
کبھی آہیں بھی کہتی ہیں ترانہ شادمانی کا
دل کے یہ افسانے، دنیا کیا جانے

ہر دل کا دستور نرالا ہے   ہر دل ایک نئی دنیا ہے
اس دُنیا کی کیا رسمیں ہیں   اِس دُنیا میں کیا ہوتا ہے
خود دل بھی نہ جانے، دُنیا کیا جانے

یہ جتنے پیار کے قصے ہیں   یہ جتنی پریم کی باتیں ہیں
یہ سب ظاہر کے دھوکے ہیں   یہ سب نظروں کی گھاتیں ہیں
ہیں دل کے سب بیگانے
دُنیا کیا جانے

گیت

نُور کے سانچے میں ڈھل آئی آج ہماری رات
آج زمیں آکاش ہمارے آج ہمارے چاند ستارے
نُور کے سانچے میں ڈھل آئی آج ہماری رات
جاگے آج نصیب ہمارے
جاگی چاندنی رات

چاند کی نورانی کرنوں سے پھُوٹے راگوں کے فوارے
چاندنی گیتوں کی برکھا ہے، نغموں کی برسات
نُور کے سانچے میں ڈھل آئی آج ہماری رات
جاگے آج نصیب ہمارے
جاگی چاندنی رات

نُور کی بارش کب کب برسے　　　دُنیا کی چاندنی رات کو ترسے
ہر دم چمکے چاند ہمارا، قسمت کی ہے بات
نُور کے سانچے میں ڈھل آئی آج ہماری رات
جاگے آج نصیب ہمارے
جاگی چاندنی رات

دیکھو حُسن کے یہ نظّارے　　　ایک نظر سو سو انگارے
عشق نے ایک ہی انگڑائی لی جوبن کھا گیا مات
نُور کے سانچے میں ڈھل آئی آج ہماری رات
جاگے آج نصیب ہمارے
جاگی چاندنی رات

گیت

یہ کیا کارواں ہے
یہ رُکتا نہیں ہے دما دم رواں ہے
کدھر ہے سفر؟ اس کی منزل کہاں ہے
چلا جا رہا ہے عجب کارواں ہے

کبھی وادیوں، کوہساروں سے گزرے
کبھی کھیتوں، سبزہ زاروں سے گزرے
کبھی ریت کی خشک رہ پہ رواں ہے
چلا جا رہا ہے عجب کارواں ہے

کہیں نورِ چیدہ، فضاؤں میں رقصاں
کہیں ابر دیدہ، ہواؤں میں رقصاں
کہیں تُند طوفاں سے ہم عناں ہے
چلا جا رہا ہے عجب کارواں ہے

کبھی صبح کے خندہ زاروں سے کھیلے
کبھی شام کے چاند تاروں سے کھیلے
کبھی شب کی خلوت میں جلوہ فشاں ہے
چلا جا رہا ہے عجب کارواں ہے

یہی کارواں قوم کا ترجماں ہے
یہی مُلک کی عظمتوں کا نشاں ہے
اِسی سے ہمارا مقدّر جواں ہے
چلا جا رہا ہے عجب کارواں ہے

گیت

کشتی کا بھروسا نہ کھوّیے کا سہارا
ہمّت کے شناور کو بھنور بھی ہے کنارا

ہمت ہو تو طوفانِ بلاخیز ہے کیا چیز
ہمت ہو تو پھر یاسِ غم انگیز ہے کیا چیز
موجوں کا تلاطُم ہے اُمیدوں کا نظّارا
ہمت کے شناور کو بھنور بھی ہے کنارا

ہمت میں بلا کرتی ہیں مُشکل کو ہٹا ہیں
ہمت ہی کھُلا کرتی ہیں تدبیر کی راہیں
ہمت سے پلٹ جاتا ہے تقدیر کا دھارا
ہمت کے شناور کو بھنور بھی ہے کنارا

ہمت کے اندھیروں میں اُبھرتے ہیں اُجالے
ہمت سے چمکتے ہیں، سنورتے ہیں اُجالے

ہمت ہے نویدوں کا درخشندہ ستارا
ہمت کے شناور کو بھنور بھی ہے کنارا

ہر فرد ہے اس مُلک کی عزّت کا محافظ
ہر فرد ہے اس دیس کی عظمت کا محافظ

ہر فرد ہے اس قوم کی قسمت کا ستارا
ہمت کے شناور کو بھنور بھی ہے کنارا

مطبوعہ پندرہ روزہ "آہنگ" [illegible] اکتوبر ۱۹۶۵ ص ۱۹

گیت

جیون ہے جنجال سکھی ری، جیون ہے جنجال
اجنبیوں کا دیس ہے جیون
نہ کوئی دشمن نہ کوئی ساجن
اُلفت کے یہ سارے بندھن
نظروں کے ہیں جال
جیون ہے جنجال
سکھی ری
جیون ہے جنجال

اجنبیوں کی اس بستی میں
اپنے پرائے سب بیگانے
اس عالم میں کیسے جانے
کوئی کسی کا حال
جیون ہے جنجال
سکھی ری
جیون ہے جنجال

میل ملاپ کے یہ ہنگامے
یہ تڑپانے والی یادیں
یہ دُکھ درد بھری فریادیں
جیون کے جنجال
جیون ہے جنجال
سکھی ری
جیون ہے جنجال

گیت

نظّارۂ جمالِ گُل و یاسمنِ وطن
شادابیٔ نشاطِ بہارِ چمن وطن
ہے زندگی کا دل بھی وطن، جان و تن وطن
آؤ کہ اس وطن کو بہاراں بنائیں ہم
آؤ کہ اپنے دیس کی عزّت بڑھائیں ہم

صبحِ وطن کی تازہ ضیاء باریاں ہیں ہم
یہ قصرِ زرنگار ہے گُلکاریاں ہیں ہم
اِس بختِ سازگار کی بیداریاں ہیں ہم
آؤ کہ اِس وطن کو بہاراں بنائیں ہم
آؤ کہ اپنے دیس کی عزّت بڑھائیں ہم

یہ دیس اور یہ راج ہمارے ہی دم سے ہے
یہ تخت اور یہ تاج ہمارے ہی دم سے ہے
اپنے وطن کی لاج ہمارے ہی دم سے ہے
آؤ کہ اِس وطن کو بہاراں بنائیں ہم
آؤ کہ اپنے دیس کی عزّت بڑھائیں ہم

آؤ کہ مل کے دیس میں خوشیاں منائیں ہم
آؤ کہ راحتوں کے نشیمن بسائیں ہم
آؤ کہ اس کو جنّت ارضی بنائیں ہم
آؤ کہ اِس وطن کو بہاراں بنائیں ہم
آؤ کہ اپنے دیس کی عزّت بڑھائیں ہم

گلشن جواں ہے اور جواں بھی ہے نو بہار
ہنستے ہیں گُل تو خندہ زناں بھی ہے نو بہار
اہلِ چمن ہوں خوش تو خزاں بھی ہے نو بہار
آؤ کہ اس وطن کو بہاراں بنائیں ہم
آؤ کہ اپنے دیس کی عزّت بڑھائیں ہم

قومی نظمیں

لفظ کو عزّت اس کی کبریائی سے ملی

صبحِ آزادی

کیوں ترستے ہو اُجالے میں اُجالے کے لیے
یہ اُجالا ہے اُسی صبحِ منوّر کی ضیاء
جس کی کرنوں سے مٹے اپنی غلامی کے نشاں
جس کی کرنوں نے کیا اپنی جبیں کو بے داغ
انھی کرنوں سے مِلا اپنی نگاہوں کو فروغ
انھی کرنوں سے ملا اپنی طبیعت کو فراغ
اِن ہی کرنوں سے نظر آئی ہمیں راہِ عمل
اِن ہی کرنوں سے میسّر ہوا منزل کا سُراغ
آؤ اِن کرنوں سے چُن لو مئے راحت کا سُرور
آؤ لبریز کرو جوشِ محبّت کا ایاغ

کھول دو اور ذرا فکر و نظر کے روزن
اور چمکاؤ ذرا اپنی عقیدت کے چراغ
آؤ اس نُور سے ہم دل کو منوّر کر لیں
آؤ اس نُور میں اِک اور اُجالا بھر لیں
پھر اُفق نے اِنھی جلووں کی ضیأ پائی ہے
لَوٹ آیا ہے اِسی صُبح کو لے کر یہ دن
اِنھی کرنوں سے سنوّر کر یہ سحر آئی ہے
کیوں ترستے ہو اُجالے میں اُجالے کے لیے

قائدِ اعظم رحمۃ اللہ

تیرے خیال سے ہے دل شادماں ہمارا
تازہ ہے جاں ہماری دل ہے جواں ہمارا

تیری ہی ہمتوں سے آزاد ہم ہوئے ہیں   خوشیاں ملی ہیں ہم کو دل شاد ہم ہوئے ہیں
تجھ سے ہی لہلہایا یہ گلستاں ہمارا

ہم سو رہے تھے تُو نے آکر ہمیں جگایا   پھرتے تھے ہم بھٹکتے، رستہ ہمیں بتایا
تُو رہنما ہمارا، تُو پاسباں ہمارا

تیرے ہی حوصلے سے طاقت ملی ہے ہم کو   تیری ہی آبرو سے عزّت ملی ہے ہم کو
چمکا ہے تیرے دم سے قومی نشاں ہمارا

اِس دیس میں رہے گا چرچا مدام تیرا   جس شخص کو بھی دیکھا، لیتا ہے نام تیرا
دل تیری یاد سے ہے اب تک جواں ہمارا

ہم جو قدم اُٹھائیں، آتی ہے یاد تیری   ہم جس طرف بھی جائیں، آتی ہے یاد تیری
تجھ سے رواں دواں ہے یہ کارواں ہمارا

قائدِ اعظمؒ

دیس کی شان قائدِ اعظمؒ
دیس کی جان قائدِ اعظمؒ
ہم کبھی بھی بُھلا نہیں سکتے
تیرا احسان قائدِ اعظمؒ

تُو نے محنت کا ہم کو درس دیا — تیری محنت تری سعادت تھی
کام سارے کیے دیانت سے — یہ دیانت خدا کی رحمت تھی
یہی محنت، یہی دیانت تھی
تیرا ایمان قائدِ اعظمؒ

تُو نے دُکھ درد سارے دُور کیے — تُو نے ہم سب کو سرخوشی بخشی
اپنے اِس دیس کو کیا آباد — قوم کو تازہ زندگی بخشی
ہم کبھی بھی بُھلا نہیں سکتے
تیرے احسان قائدِ اعظمؒ

جس کو حق بات تُو سمجھتا تھا — زندگی میں وہ کام کرتا تھا
کبھی اوروں سے تُو نہ دبتا تھا — کبھی غیروں سے تُو نہ ڈرتا تھا
تیرے دم سے ہے آج تک قائم
دیس کی شان قائدِ اعظمؒ

تیری سب نیکیاں ہیں یاد ہمیں — تیرا ہر ایک کام زندہ ہے
یاد کرتے ہیں ہم تجھے ہر دم — مر کے بھی تیرا نام زندہ ہے
حق نے دُنیا میں تجھ کو بخشی ہے
کیا عجیب شان قائدِ اعظمؒ

قائدِ اعظمؒ

ایک فردِ ناتواں آیا تواں دے کر گیا
قوم کو بے تابیٔ عزمِ جواں دے کر گیا
جادۂ آزادیٔ گم گشتہ کا پا کر سراغ
رہروؤں کو منزلِ نو کا نشاں دے کر گیا
ابرِ رحمت کی طرح برسا وطن کی خاک پر
اس زمیں کو اعتبارِ آسماں دے کر گیا
دے کے تاریکی کو نورِ سایۂ آسودگی
ظلمتِ شب کو سویروں کا سماں دے کر گیا
بھر کے افسردہ دلوں میں شعلۂ برقِ یقیں
زندگی کو اضطرابِ جاوداں دے کر گیا

مطبوعہ "سکھی گھر" لاہور ۴۷ ۱۹ء ص ۴

قائدِ اعظم رحمۃ اللہ

لب بستہ بیکسوں کو زباں دے کے چل دیا
دِل خستہ بے لبوں کو تواں دے کے چل دیا

اُلجھی ہوئی تھیں راہیں بھٹکتے تھے راہرو
گم گشتہ منزلوں کا نشاں دے کے چل دیا

تدبیر ہی سے مل گیا تقدیر کا نشاں
رازِ نہاں کو رنگِ عیاں دے کے چل دیا

ناپختہ نوجواں کو فکرِ متیں ملی
پیرِ کہن کو جوشِ جواں دے کے چل دیا

سینوں میں آرزوئیں تھیں سونی پڑی ہوئی
خاموشیوں کو زورِ فغاں دے کے چل دیا

آزادیوں کی راہ کھُلی ارضِ پاک میں
اِس آسماں کو کہکشاں دے کے چل دیا

ذوقِ یقیں سے گرم کیا قوم کا لہُو
اِن بے دلوں کو عزمِ تپاں دے کے چل دیا

دیدہ وروں کو حسنِ بصیرت عطا کیا
نکتہ وروں کو حسنِ بیاں دے کے چل دیا

مطبوعہ "ماہِ نو" لاہور مارچ ۱۹۷۸ء ص ۴۷

ترانۂ آزادی

(قائدِ اعظمؒ)

اُس کے آج بل پہ چل رہے ہیں قافلے والے
اُس کے زورِ ہمت سے رواں ہے کارواں اپنا
اُس سے آبرو پائی جہاں میں ملک و ملت نے
اُس سے دہر میں روشن ہوا قومی نشاں اپنا
اُس کے نام سے ہر آرزو تازہ ہوئی اپنی
اس کے کام سے عزم و ارادہ ہے جواں اپنا
اُس کے داغِ اُلفت سے فروزاں ہے جبیں اپنی
اُس کی یاد سے سرشار ہے قلبِ تپاں اپنا
اُس کی عظمتوں سے ہمقدم ہے یہ زمیں اپنی
اُس کی رفعتوں سے ہمعناں ہے آسماں اپنا

نظم

تیرے گلشن سے ملا اغیار کو سامانِ عیش
ہو گیا ہر برگ اُن کے واسطے دامانِ عیش
پر تری محفل میں جتنے تھے وہ سب غافل رہے
بحرِ طوفاں خیز میں بھی صورتِ ساحل رہے
وہ صدف کی طرح کھو بیٹھے دلِ غمخوار کو
دے دیا ہاتھوں سے اپنے گوہرِ شہوار کو
تھی مشامِ اہلِ ملّت سے جُدا بادِ نسیم
اُڑ گئی تھی صُورتِ کافور گلشن سے شمیم
آئی تُربت سے صدا اے نکتہ دانِ رنج و غم
تُو ز سر تا پا شدی گویا زبانِ رنج و غم
شُد مخلِ خوابِ مَن ایں نغمۂ ناسازِ تُو
آتش اندر جاں فگند آہِ شرر اندازِ تُو
دانم آں رازے کہ بستی بر سرش رنگِ دگر
لیکن ایں سازِ خموشاں راست آہنگِ دگر
"ہم چوں سوزن دائم از پوشش گریزانیم ما
جامہ بہر خلق می دوزیم و عُریانیم ما"

(۱۹۴۰ء)

تربتِ اقبال

میں وفورِ شوق سے تھا دشت پیمائے سخن
آبلۂ پائے تخیّل گوہر آرائے سخن

ہر رگِ تن نغمہ زن تھی مثلِ تارِ سازِ درد
ہر سرِ مُو سے نکلتی تھی مرے آوازِ درد

لے رہی چٹکیاں پہلو میں یوں یادِ وطن
دل میں جذباتِ وطن تھے لب پہ فریادِ وطن

کچھ نہ پوچھو کیا ہی بالِ شوق و اُلفت سے اُڑا
طائرِ دل تربت شاعر کی جانب لے اُڑا

خواب گاہِ بازپر نغمہ سرا ہونے لگی
بلبلِ باغِ سخن سے ہمنوا ہونے لگی

یوں کہا اے آشنائے معنیِ اسرارِ علم
مبداءِ فیضانِ دانش مرجع انوارِ علم
تیرے نغموں سے کبھی مصوّر تھا باغِ وطن
شمعِ ہستی سے تری پُر نوُر تھا باغِ وطن
تیرا ہر رنگِ سخن تھا زینتِ افزائے خیال
تیری ہر طرزِ تکلّم بزم آرائے خیال
تیرے نالوں سے سُنا غیروں نے پیغامِ عمل
بادۂ مینائے اُلفت سے پیا جامِ عمل

اقبالؒ

عہدِ رفتہ کی صدیوں کے سائے تلے
جگمگاتی ہوئی عظمتیں سو گئیں
داستانِ کہن اِک افسانہ بنی
یاد کی رفعتیں سرنگوں ہو گئیں

تُو نے افسردہ راہوں کو چونکا دیا
تُو نے خاکستروں سے شرارے چُنے
زندگی قوم کی اِک کفِ خاک تھی
تُو نے اس خاک سے بھی ستارے چُنے

اِن شراروں سے پھُوٹی نوائے سُخن
ان شراروں سے گیتوں کے شعلے اُٹھے
ان ستاروں سے چمکی فضائے سُخن
اِن ستاروں سے پُرنور نغمے بنے

ناتوانوں کو بخشیں توانائیاں
کم نگاہوں کو ذوقِ نظر دے گیا
گمرہوں کو دیے منزلوں کے نشاں
شب زدوں کو نویدِ سحر دے گیا

اقبالؒ

سُونی سُونی تھی پڑی ارضِ کہُن برسوں سے
مضمحل سے تھے درو دشت و دمن برسوں سے
ایک سناٹے میں ڈوبی تھی فضائے گردُوں
اک روش پر تھا زمانے کا چلن برسوں سے
نہ کہیں گُل ہی مہکتا نہ چٹکتی تھی کلی
ایسے ویران تھے ایوانِ چمن برسوں سے
دم بخود سی نظر آتی تھیں حسیں آوازیں
سخت افسردہ تھی دنیائے سخن برسوں سے
بزم بے سوز تھی، خاموش تھے نغماتِ ہُنر
بجھ چکا تھا شررِ شوخیٔ فن برسوں سے

شعرِ اقبالؒ

جہانِ فکر میں رازِ سخنوری کا نشاں
جمالِ دانش و حکمت کی یادگارِ جمیل
دیارِ رفتہ میں شانِ قلندری کا نشاں
جلالِ عشق و محبّت کا شاہکارِ جلیل
تو سحر کاریٔ لوح و قلم کا آئینہ دار
تُو لفظ و معنی کا اِک ارتباطِ رنگا رنگ
تُو شعلہ گستریٔ زیر و بم کا آئینہ دار
تُو حرف و صوت کا اِک امتزاجِ خُوش آہنگ
نشاطِ بزم میں تیرا اثر سکوں پرور
طرب فزائی خوابِ شگفتہ کی تعبیر
بساطِ رزم میں ترا رجز خروش آور
رموزِ کارکشائی کا نسخۂ تفسیر
تُو ایک صاحبِ قلب و نظر کا دیدۂ تر
تُو ایک شاعرِ رنگیں نوا کا خُونِ جگر

مطبوعہ "سُکھی گھر" لاہور نومبر/دسمبر ۱۹۷۷ء ص ۴

اقبالؒ

نعرۂ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد
حُسن لرزیدہ کہ صاحب نظرے پیدا شد

اُس کے آتے ہی اُمنگوں کی فضا جاگ اُٹھی
آرزوؤں کے مچلنے کی ادا جاگ اُٹھی

اُس کی آواز سے پھر زیست کا نغمہ اُبھرا
ہر رگِ ساز میں اِک تازہ نوا جاگ اُٹھی

وہ چلا رہ کہ کھُلیں راہروؤں کی آنکھیں
کارواں چونک پڑا، بانگِ درا جاگ اُٹھی

ذہنِ انساں میں چمکنے لگا پیمانِ ازل
شوق بیدار ہوا خوئے وفا جاگ اُٹھی

پھر دمکنے لگا خورشید کا رُخِ تاباں
پھر سے سوئی ہوئی کرنوں کی ضیا جاگ اُٹھی

مِلّی ترانے

اے جوانانِ وطن

تم سے ہی ہر لحظہ خنداں ہے گلستانِ وطن
تم سے ہی ہر وقت تازہ ہے بہارانِ وطن
تم تب و تابِ وطن ہو تم دل و جانِ وطن
اے جوانانِ وطن

کشتیٔ ہمت رواں ہو جس طرف ساحل ملے
شوق کے جس سمت بھی اُٹھیں قدم منزل ملے
عزمِ راہرو سے بدل جاتے ہیں راہوں کے چلن
اے جوانانِ وطن

خاتمِ دورِ کہن کے ہو درخشندہ نگیں
تم سے تابندہ ہے اپنے عہدِ زرّیں کی جبیں
تم اگر چاہو تو لوٹ آئیں وہ ایامِ کہن
اے جوانانِ وطن

مُلک کی تعمیر کو ہمت کا ساماں چاہیے
اک دل و جاں کیا یہاں لاکھوں دل و جاں چاہیے
گامزن باشید با صد جاں بمیدانِ وطن
اے جوانانِ وطن

پرچم آزادی

سُن لیں یہ جہاں والے اب جیت ہماری ہے اب جیت ہماری ہے

ہم پرچمِ آزادی لہراتے ہُوئے آئے

طوفان کی لہروں کو شرماتے ہُوئے آئے

سنگین چٹانوں سے ٹکراتے ہُوئے آئے

وہ دیکھنا دشمن پر پھر خوف سا طاری ہے اب جیت ہماری ہے

وہ کوند گئی بجلی تاریک فضاؤں میں

اک شور ہوا برپا موجوں کی صداؤں میں

طوفانِ غُبار اُٹھا وادی کی ہواؤں میں

لشکر ہے کہ میداں میں سیلاب سا جاری ہے اب جیت ہماری ہے

ہر سمت بڑھیں فوجیں ہر سمت قدم اُٹھے

وہ بیٹھ گئے دشمن میدان میں ہم اُٹھے

وہ ظلم نے دم توڑا وہ جور و ستم اُٹھے

اب عدل کا دور آیا اب عدل کی باری ہے

اب جیت ہماری ہے اب جیت ہماری ہے

نوجوانوں سے خطاب

نوجوان نوجوان نوجوان
نوجوان نوجوان نوجوان

ہر زمیں تیری زمیں ہر وطن تیرا وطن
ہو کسی بھی بھیس میں ہو کسی بھی دیس میں
ہر وطن کا نوجواں ہے نوجوان

کھیل کیا ہے زندگی کا اِک حسیں مشغلہ
دوستانہ کشمکش ہے دوستانہ معرکہ
کھیل کی ہے اِک ریت اس میں ہار ہو کہ جیت
کھیلنا کھیلنا کھیلنا
یہی ہے زندگی کی جان
نوجوان نوجوان نوجوان

زندگی کی راہ میں بڑھے چلو ہر خوشی کی راہ میں بڑھے چلو
ہے یہی تمھاری شان
نوجوان نوجوان نوجوان

ارضِ پاکستان

ارضِ پاک تیرا نام
تجھ سے ہم سب کا مان
سب جگ میں ہے تیری شان
ارضِ پاک تیرا نام

تیری لاج ، اپنی لاج
تیری آن ، اپنی آن
واریں تجھ پہ اپنی جان
نگر نگر ، ڈگر ڈگر
لگن تیری صبح و شام
ارضِ پاک تیرا نام

نظر میں نظاروں کی دُنیا بسا لے

نظر میں نظاروں کی دُنیا بسا لے
اُمیدوں اُمنگوں کی دنیا بسا لے
وطن ہے تیرا چاند تاروں کی دُنیا
وطن ہے تیرا نو بہاروں کی دُنیا
نظر میں نظاروں کی دُنیا بسا لے
اُمیدوں اُمنگوں کی دُنیا بسا لے
ستاروں کی گردش کی تعبیر کیا ہے
عمل ہے تیرا اور تقدیر کیا ہے
ذرا اپنی تقدیر کو آزما لے
نظر میں نظاروں کی دُنیا بسا لے
اُمیدوں اُمنگوں کی دُنیا بسا لے
ہر ایک گام پہ ایک تازہ جہاں ہے
نئی منزلیں ہیں نیا کارواں ہے
بڑھا لے قدم تُو بھی اپنے بڑھا لے
نظر میں نظاروں کی دُنیا بسا لے
اُمیدوں اُمنگوں کی دُنیا بسا لے

ترانۂ ملّی

بڑھے چلو بڑھے چلو بڑھے چلو

بلند ہمتیں لیے

سپاہیو! بڑھے چلو

بہادرو! بڑھے چلو

بڑھے چلو بڑھے چلو

بڑھے چلو بڑھے چلو بڑھے چلو

یہی تمہاری شان ہے

اسی میں ساری آن ہے

یہی عمل کی جان ہے

بڑھے چلو بڑھے چلو بڑھے چلو

وہ منزلیں بھی ہیں جہاں

پڑی نہیں نظر ابھی

ہیں اور راہگزر ابھی

بہت سے ہیں سفر ابھی

بڑھے چلو بڑھے چلو بڑھے چلو

یہ بات دلنشیں رہے
جو ملتیں ہیں سرفراز
وہ جانتی ہیں ایک راز
ہے کارِ زندگی دراز
بڑھے چلو بڑھے چلو بڑھے چلو
نشیب ہو کہ ہو فراز
یہ قافلہ جہاں رہے
یونہی رواں دواں رہے
بلند یہ نشاں رہے
بڑھے چلو بڑھے چلو بڑھے چلو

قومی ترانہ

اِس باغ کے جلووں میں ہیں جنّت کے نظّارے
اِس وادیِ رنگیں کی ہر اِک چیز حسیں ہے
خورشید وش و ماہ رُخ و زہرہ جبیں ہے
اِس گلشنِ ارضی کی زمیں عرشِ بریں ہے
اِس باغ کے جلووں میں ہیں جنّت کے نظّارے

اِس خاک کی پستی میں بُلندی کا سماں ہے
اِس دیس کا ہر گُل کدہ فردوس نشاں ہے
اِس مُلک کی ہر راہ گزر کاہکشاں ہے
اِس وادیِٔ زرخیز کے ذرّے ہیں ستارے

میدانوں پہ لہرائے ہوئے دامن کہسار
وادی کی فضاؤں میں مہکتے ہوئے گلزار
چاروں طرف اٹھکیلیاں کرتے ہوئے اشجار
حوریں ہوں کھڑی جس طرح کوثر کے کنارے

دیہات کے ہیں شام و سحر رنگ سہانے
پوشیدہ فضاؤں کے سکوں میں ہیں ترانے
خاموش حکایات ہیں خاموش فسانے
لفظوں سے کہیں بڑھ کے دلآویز اشارے

قومی ترانہ

ہم وطن بھائیو، ہم وطن دوستو

آؤ بدلیں پُرانا چلن دوستو
ہم وطن دوستو، ہم وطن دوستو
دیس اپنا ہے یہ اپنی دولت ہے یہ ہم امیں ہیں مقدس امانت ہے یہ
اس امانت کی مل کر حفاظت کرو
ہم وطن بھائیو، ہم وطن دوستو
رات کو چاند تاروں سے تاباں کرو صبح کی روشنی میں سویرے بھرو
اِن اُجالوں کو ہمراہ لے کر چلیں
ہم وطن بھائیو، ہم وطن دوستو
آؤ مل کر حوادث کا رُخ موڑ دیں ٹھہر جائے جو منزل اُسے چھوڑ دیں
آؤ آگے بڑھو اور آگے بڑھو
ہم وطن بھائیو، ہم وطن دوستو
غفلتوں میں کئی منزلیں کھو چکے اپنی محرومیوں پر بہت رو چکے
اُٹھو آؤ نئے وقت کا ساتھ دو
ہم وطن بھائیو، ہم وطن دوستو

مرے صف شکن سپاہی

یہ ہواؤں کے مسافر، یہ سمندروں کے راہی
مرے سربکف مجاہد، مرے صف شکن سپاہی

یہ ترا یقین محکم تری ہمتوں کی جاں ہے
ترے بازوؤں کی قوت ترے عزم کا نشاں ہے
تو ہی راہ تو ہی منزل تو ہی میر کارواں ہے
یہ زمیں تری زمیں ہے یہ جہاں ترا جہاں ہے
تو وطن کا پاسباں ہے ترے ہاتھ میں ہے شاہی
مرے سربکف مجاہد، مرے صف شکن سپاہی

تری ابروؤں کی جنبش تری آنکھ کا اشارا
ترے دشمنوں کی آفت، ترے قہر کا شرارا
تو وطن کی آبرو ہے، تو وطن کا ہے سہارا
اسی آبرو سے چمکا ترے دیس کا ستارا
یہی بانکپن ہے تیرا، یہی تیری کج کلاہی
مرے سربکف مجاہد، مرے صف شکن سپاہی

توپ خانے کا ترانہ

ہمارا توپ خانہ ، ہمارا توپ خانہ
بَلا کا ہے ، ہمارا توپ خانہ

جہاں دشمن نے سر اپنا اُٹھایا
کہیں سے بھی قدم آگے بڑھایا
وہیں ہم نے کیا اس کا صفایا
بَلا کا ہے ہمارا توپ خانہ

عدُو جس طرح چاہے سر چھپائے
ہزاروں پردوں میں چُھپ کے آئے
نہیں ممکن وہ ہم سے بچ کے جائے
خطا جاتا نہیں اپنا نشانہ

کبھی جب ہوش میں آتے ہیں ہم لوگ
تو ...... برق بن جاتے ہیں ہم لوگ
عدو پر آگ برساتے ہیں ہم لوگ
قیامت ہے ہمارا توپ خانہ

یہ رعد و برق ہیں طاقت ہماری
ہے ان کی گھن گرج شوکت ہماری
یہ شوکت ہے فقط دولت ہماری
ہے ان کے خوف سے لرزاں زمانہ

یہ توپیں اپنی ہمّت کا نشاں ہیں
ہماری عظمتوں کی ترجماں ہیں
یہی ہم اور یہی اپنا جہاں ہیں
یہی اپنا عَلَم، اپنا ترانہ

قومی ترانہ

مسلمان ہیں ہم مسلمان ہیں ہم

جہاں جا کے ٹھہریں وطن ہے ہمارا
جہاں چہچہائیں، چمن ہے ہمارا
ہر اک مُلک کی، دیس کی شان ہیں ہم
مسلمان ہیں ہم، مسلمان ہیں ہم

پرستارِ رسمِ وفا ہیں تو ہم ہیں
جوانانِ تیغ آزما ہیں تو ہم ہیں
دلیرانِ جنگ و وغا ہیں تو ہم ہیں
کہ ناموسِ حق کے نگہبان ہیں، ہم
مسلمان ہیں ہم، مسلمان ہیں ہم

رہِ حق پہ چلنا ہے عادت ہماری
ہے عزت سے جینا فضیلت ہماری
وطن کی حفاظت شجاعت ہماری
وطن کے تحفظ پہ قربان ہیں ہم
مُسلمان ہیں ہم، مُسلمان ہیں ہم

دلوں میں حیاتِ نوی کی لگن ہے
نگاہوں میں عزمِ قوی موجزن ہے
جبیں پر مہ تمکنت ضَوفگن ہے
بڑے جاں نثاروں کا ایماں ہیں ہم
مسلمان ہیں ہم، مسلمان ہیں ہم

گرے نامداروں کے سر اپنے لگے
کٹے شہ سواروں کے سر اپنے لگے
جُھکے تاجداروں کے سر اپنے لگے
فلک بارگاہوں کے سلطان ہیں ہم
مسلمان ہیں ہم، مسلمان ہیں ہم

نمائش کو عزّت سمجھتے نہیں ہم
امارت کو دولت سمجھتے نہیں ہم
نَسب کو فضیلت سمجھتے نہیں ہم
یہ ہے شان اپنی کہ انساں ہیں ہم
مسلمان ہیں ہم، مسلمان ہیں ہم

ہواؤں میں اُڑتے شہباز بن کر
گرجتے ہیں توپوں کی آواز بن کر
سراپا قیامت کا انداز بن کر
وہ آتش، وہ شعلوں کا طوفان ہیں ہم
مسلمان ہیں ہم، مسلمان ہیں ہم

وہ شہ پارۂ خالقِ لم یزل ہیں
نظریے بدل ہے عمل بے بدل ہیں
یقین اپنا محکم، اِرادے اٹل ہیں
کتابِ الٰہی کا فرمان ہیں ہم
مسلمان ہیں ہم، مسلمان ہیں ہم

ہمارا دیس

دیس ہمارا ہم کو پیارا
ہم سب کی آنکھوں کا تارا

اپنے دیس پہ ہم قربان
دیس ہمارا پاکستان

آزادی ہے شان ہماری
آزادی ہے آن ہماری
آزادی اپنا ایمان
دیس ہمارا پاکستان

آؤ خوشی سے مل کر گائیں
دُنیا میں یہ دھوم مچائیں
دیس ہمارا پاکستان
دیس ہمارا پاکستان

وطن کا نشان

یہ نشاں یہ ہمارے وطن کا نشاں
اِس سے رشکِ فلک ہے زمینِ وطن
اِس سے روشن ہوئی ہے جبینِ وطن
ذرّہ ذرّہ وطن کا ہُوا ضَو فشاں

یہ نشاں یہ ہمارے وطن کا نشاں

یہ ہلال آب ہے تیغِ خم دار کی
یہ ستارہ چمک بختِ بیدار کی
یہ نشاں قوم کی سطوتوں کا نشاں

یہ نشاں یہ ہمارے وطن کا نشاں

یہ نشاں جس سے لرزاں تھے روم و عجم
یہ نشاں جس سے ترساں تھے خاقان و جم
یہ نشاں جس سے تھا سرنگوں اِک جہاں

یہ نشاں یہ ہمارے وطن کا نشاں

یہ نشاں اپنی زرّیں روایات کا
یہ نشاں غازیوں کی کرامات کا
جن کا جوشِ مسلسل تھا تیغِ رواں
یہ نشاں یہ ہمارے وطن کا نشاں

جن کے سینے منوّر تھے قرآن سے
جن کے چہرے فروزاں تھے ایمان سے
جن کی ہمّت قوی جن کی قوّت جواں
یہ نشاں یہ ہمارے وطن کا نشاں

آئے شانِ تہوّر دکھاتے ہوئے
گئے نصرت کا پرچم اُڑاتے ہوئے
قافلہ قافلہ کارواں کارواں
یہ نشاں یہ ہمارے وطن کا نشاں

یہ ہمیشہ یونہی لہلہاتا رہا
جگمگاتا رہا، ضَو دکھاتا رہا
یہ اَبد تک رہے گا یونہی ضوفشاں
یہ نشاں یہ ہمارے وطن کا نشاں

تراجم

(اقبال، غالب اور دیگر شعرا)

امیر خسروؔ کی فارسی غزل کا منظوم ترجمہ

غمِ فرقت میں جو جینے کا سماں ہو تو جیوں
یعنی اِک جان کے بعد اور بھی جاں ہو تو جیوں

تیری آنکھیں مجھے جینے نہیں دیتیں اِک پل
شوخ غمزوں سے ترے مجھ کو اماں ہو تو جیوں

بے یقینی کا یہ عالم ہو تو جینا کیسا
ایک پل بھی مجھے جینے کا گماں ہو تو جیوں

یوں تو خسروؔ ہوں پہ فرہاد سا ہوں کشتۂ عشق
گر مجھے تیری توجہ کا گماں ہو تو جیوں

امیر خسرو کی فارسی غزل کا ترجمہ

یہ رنگینیٔ نوبہار اللہ اللہ
یہ جامِ مئے خوشگوار اللہ اللہ

اُدھر ہیں نظر میں نظارے چمن کے
اِدھر رُو بہ رُو روئے یار اللہ اللہ

اُدھر جلوۂ مضطرب توبہ توبہ
اِدھر یہ دِلِ بے قرار اللہ اللہ

وہ لب ہیں کہ ہے وجد میں موجِ کوثر
وہ زلفیں ہیں یا خُلد زار اللہ اللہ

مَیں اس حالتِ ہوش میں مست و بیخود
وہ مستی میں بھی ہوشیار اللہ اللہ

امیر خسروؔ کی فارسی غزل کا منظوم ترجمہ

لے گیا عقل اور دیں میرا
پھر بھی اچھا ہے نازنیں میرا

بار دُر سے گراں ہیں گوشں اس کے
کیا سُنے نالۂ حزیں میرا

باغباں مجھ کو دیکھ لینے دے
وہ حسیں سرو راستیں میرا

عشق میں دلبروں کے کام آیا
کفر و ایماں و زہد و دیں میرا

ڈر مرے سیلِ اشک سے خسروؔ
ڈوبنے کو ہے ہم نشیں میرا

ترجمہ: اقبال

"بہ فغاں نہ لب کشودم کہ فغاں اثر ندارد"

○

کروں کیا فغاں کہ اس میں تو ذرا اثر نہیں ہے
مرے غم کی تاب لائے، یہاں وہ جگر نہیں ہے

ہو حرم کہ بت ہو، وہی بات دوستی کی
میرے تیرے رازِ دل سے کوئی باخبر نہیں

تُو نظر کی رہ سے گزرا تو اُتر گیا دلوں میں
مگر اس طرح سے گزرا کہ ہمیں خبر نہیں ہے

مرے دل کے اس نگیں کو نگیں شناس سمجھے
تُو ہی رکھ لے اس کو یاں تو کوئی بانظر نہیں ہے

یہ خرد فروز ساغر جو فرنگ نے دیا ہے
ہے تو آفتاب لیکن اثرِ سحر نہیں ہے

ترجمہ: اقبال

"اگرچہ زیبِ سرش افسر و کلاہے نیست"

اگرچہ سر پہ کوئی افسر و کلاہ نہیں
گدائے کوچہ ترا کم نہ بادشاہ نہیں

جوان سوئے ہوئے اور مُردہ دل ہیں بزرگ
کسی کے سینے میں اِک آہِ صبحگاہ نہیں

اسی بہانے سے دشتِ طلب کو چھوڑ نہ جا!
یہ دور وہ ہے کوئی آشنائے راہ نہیں

گناہ لکھیں تو کیا اپنا کاتبانِ عمل؟
ترے جہاں سے میسّر جُز اک نگاہ نہیں

ابھی سے وقت کو اپنی گرفت میں لے لے
یہاں حساب شب و روز و سال و ماہ نہیں

اٹھو کہ دامنِ اقبال تھام لیں چل کر
وہاں پہ دلق فروشئ خانقاہ نہیں

ترجمہ: اقبال

"درجہانِ دل ما دورِ قمر پیدا نیست"

○

ہے یہ جہانِ دِل یہاں ، دَورِ قمر کہیں نہیں
یُوں تو ہے انقلاب ، پر شام وسحر کہیں نہیں

حیف وہ قافلہ کہ جو ہمتِ پست کے سبب
چل پڑا ایسی رَہ جہاں خوف وخطر کہیں نہیں

جا کے محیطِ عشق کی موجِ عمیق سے لپٹ
عقل تو جوئے تنگ ہے اس میں گُہر کہیں نہیں

ترے مرے خیال کا مقصدِ کش مکش ہے جو
آنکھ میں جاگزیں ہے وہ مثلِ نظر کہیں نہیں

ترجمہ: اقبال

"گریۂ ما بے اثر نالۂ ما نارساست"

○

گریہ ہے سب بے اثر، نالہ ہے سب نارسا
حاصل اِس سوز کا، اِک دلِ خونیں نوا

مطربِ میخانہ رات، یُوں ہُوا نغمہ سرا
بادہ چشی ہے خطا، بادہ کشی ہے دوا

زندگیٔ رہرواں ہے یہ تگ و تاز ہی
قافلۂ موج کا جادہ و منزل ہی کیا؟

شعلہ صفت آگری مجھ خس و خاشاک پر
مرشدِ رومی کی بات، منزل ما کبریا

ترجمہ: اقبال

"مثلِ آئینہ مشو محوِ جمالِ دگراں"

○

مثلِ آئینہ نہ ہو محوِ جمال اوروں کا
دیدہ و دل میں نہ آنے دے خیال اوروں کا

اپنے پَر کھول کہ ہے تیرے لیے باعثِ ننگ
تری پرواز میں زورِ پَر و بال اوروں کا

مَیں ہوں آزاد و غیور اِتنا کہ مر جاؤں گا
چکھ جو تُوں یونہی کہیں جام زلال اوروں کا

جاں سے نزدیک ہے تُو اور نگہ سے پنہاں
تری فرقت ہو تو کیا شے ہے وصال اوروں کا؟

ترجمہ : اقبال

"خاکیم و تند سیر مثالِ ستارہ ایم"

○

یوں خاک ہیں، پہ تند مثالِ ستارہ ہیں
بحرِ فضا میں محوِ تلاشِ کنارہ ہیں

اِک شعلۂ حیات سے ہے اپنی ہست و نیست
ذوقِ خودی میں مثلِ شرر پارہ پارہ ہیں

بادِ سحر سے لرزاں کلی سے ہیں عشق میں
اور زندگی میں ایک گراں سنگِ خارہ ہیں

خود پیدا کی ہے صورتِ نرگس چمن میں آنکھ
رُخ سے نقاب اُلٹ ! کہ سراپا نظارہ ہیں

ترجمہ: اقبال

"بتانِ تازہ تراشیدۂ دریغ از تو"

○

ہر گھڑی اِک نیا بُت تُو نے تراشا افسوس!
اپنے دل کو نہ کبھی تُو نے کریدا، افسوس!

اِتنا پگھلا دیا افرنگ کی گرمی نے تجھے
اپنی آنکھوں سے تو خود آپ ہی ٹپکا افسوس!

اس گلی میں کہ جہاں خاک کی قیمت ہو بُلند
نیم غمزے کے برابر بھی نہ ٹھہرا افسوس!

مانا، تُو نے کیا ہر درسِ خِرد کو اَز بر
شوق کی بات کا اِک حرف نہ سیکھا افسوس!

دہر میں گھُوما، کیا تُو نے حَرم کا بھی طواف
اپنے گِرد ایک بھی چکر نہ لگایا افسوس!

ترجمہ: رہی معیری

"غنچۂ نوشگفتہ را مانَد"

○

غنچۂ نو شگفتہ ہو جیسے
نرگسِ نیم خفتہ ہو جیسے

یُوں گیا وہ کہ پھر نہیں آیا
وہ مری عُمرِ رفتہ ہو جیسے

قدِّ موزوں پہ اس کے سُرخ لباس
سروِ آتش گرفتہ ہو جیسے

یوں دہکتی ہے مِرے سانس میں آگ
پھُول میں بُو نہفتہ ہو جیسے

بے اثر ہے رہی تری فریاد
حرف بسیار گفتہ ہو جیسے

ترجمہ: رہی معیری

O

مُرغِ خُونیں ترانہ ہوں گویا
صیدِ بے آب و دانہ ہوں گویا

کوئی انجام ہے نہ ہے آرام
مرغِ بے آشیانہ ہوں گویا

ہدفِ تیرِ فتنہ ہوں ہردم
مستقل اک نشانہ ہوں گویا

دل کو رغبت نہیں زمانے سے
غیرِ اہلِ زمانہ ہوں گویا

خاکساری سے ہوں بلند مقام
یار کا آستانہ ہوں گویا

آسماں سے گزر گیا ہوں رہی
تیرِ آہِ شبانہ ہوں گویا

ترجمہ : لاہوتی

"با دلم دوش سرِ زُلفِ تو بازی می کرد"

O

رات اُبھری تری زُلفوں کی درازی کیا کیا؟
خواجۂ حسن نے کی بندہ نوازی کیا کیا؟

کبھی زنجیر، کبھی مار، کبھی پھول بنی
زُلفِ خمدار میں تھی شعبدہ بازی کیا کیا؟

خالِ رُخسار سے مَیں زلفِ رسا تک پہنچا
دلِ بدمست نے کی دست درازی کیا کیا؟

ہنس دیا مَیں رہِ اُلفت کی بلا خیزی پر
عقلِ عیّار نے کی فلسفہ سازی کیا کیا؟

حرمِ شوق میں غم کو نہ ہوا بار نصیب
عشق دکھلا گیا آلام گدازی کیا کیا؟

کاش اس شب میں بھی کچھ شانِ درازی ہوتی
تری زُلفوں نے دکھائی تھی درازی کیا کیا؟

ترجمہ: غالب

"دُودِ سودائے تتق بست آسمان نامیدمش"

○

دُودِ افسونِ نظر تھا آسماں کہنا پڑا
اِک پریشاں خواب دیکھا اور جہاں کہنا پڑا

ناموافق تھی بہت غربت، وطن کہنے بنی
تنگ نکلا حلقۂ دام، آشیاں کہنا پڑا

آگ بھڑکائی ہوا نے، مَیں اسے سمجھا بہار
شعلہ بن کر داغ جب اُبھرا، خزاں کہنا پڑا

تھا غُبارِ وہم وہ، میں نے بیاباں کہہ دیا
تھا گدازِ قطرہ، بحرِ بے کراں کہنا پڑا

تھا مجھے منظور اُسے مرہونِ منت دیکھنا
تھا وہ صاحبِ خانہ لیکن میہماں کہنا پڑا

اس طرح پہلو میں آ بیٹھا کہ جیسے دل تھا وہ
اس روش سے وہ گیا اُٹھ کر کہ جاں کہنا پڑا

کٹ گئی جو عُمر مستی میں وہی تھا جوشِ زیست
بچ رہا جو کچھ بھی ہستی میں زیاں کہنا پڑا

یوں طریقت میں ہر اِک شے سے نظر آگے بڑھی
کعبے کو بھی نقشِ پائے رہرواں کہنا پڑا

قطرۂ خوں کا تھا پیچ و تاب، دِل جانا اُسے
لہر تھی زہرابِ غم کی اور زباں کہنا پڑا

شیوۂ صبر آزمائی پر ترے جیتا تھا میں
یوں تری فرقت کو اپنا امتحاں کہنا پڑا

ترجمۂ غالب

"بدل زعربدۂ جائی کہ داشتنی داری"

○

ہے آج بھی ترا شوقِ جفا وہی کہ جو تھا
ستم سے ہے ترا عہدِ وفا وہی کہ جو تھا

یہ کیا کہا کہ جفاؤں پہ تُو پشیماں ہے
دروغِ راست نما ہے ترا وہی کہ جو تھا

کرم نما ہے ستم اور ستم نما ہے کرم
ہر ایک میں ہے فریبِ وفا وہی کہ جو تھا

ہے اب بھی لغزشِ پا میں ادا وہی کہ جو تھا
ہے نشہ بادۂ دوشینہ کا وہی کہ جو تھا

زباں پہ لاکھ ترے وعدۂ وفا ہو تو کیا
ہے دل میں جذبۂ جوشِ جفا وہی کہ جو تھا

زمانہ تجھ سے برگشتہ کیا ہُوا غالب
"ہے تیرے حال پہ لُطفِ خُدا وہی کہ جو تھا"

کچھ اور تراجم

فارسی کلام

نعت

آن شاهِ دو جهان چون قدم در جهان نهاد
برتر ز عرش پایهٔ این خاکدان نهاد
صد غلغله به وسعتِ کون و مکان فگند
مهرِ سکوت بر لبِ هفت اختران نهاد
در روزگار آتشِ توحید بر فروخت
آن سوزِ حق بسینهٔ آزادگان نهاد
اغیار را نشانِ اطاعت بر و کشید
داغِ وفا به ناصیهٔ دشمنان نهاد
هم چاره سازیِ دلِ بیچارگان نمود
هم دستِ لطف بر سرِ آشفتگان نهاد
بر قلبِ ناصبور فسونِ شکیب خواند
در جانِ ناتوانِ ضعیفان توان نهاد
گلهای انبساط بدامانِ درد ریخت
گنجینه های سود به جیبِ زیان نهاد

ہر جا کہ بود کفر و ضلال از میان ربود
ہر جا کہ بود شرک و دغل بر کران نہاد
ہر کس کہ داشت عقل و خرد ارمغان نمود
ہر کس کہ داشت جان و دلی در میان نہاد
ذوقِ بلند پائگیِ اوجِ ہمتش
چو خواست پا بہ برزگہِ عرشیان نہاد
زان پیشتر کہ بوسہ بپایش زند سپہر
عرشش آمد و ز کاہکشان نردبان نہاد
در یک قدم ز وسعتِ کونین در گذشت
مسند فراز کنگرۂ لامکان نہاد
ہر چند حرفِ نعت سزاوارِ من نبود
احساسِ عجز بند گراں بر زبان نہاد
این کار در شمار نکوکاریم رود
از لطفِ کردگار توان دل بر آن نہاد

○

که نهد گوش بر فسانهٔ ما — غیر ما نیست کس یگانهٔ ما

بر در ما اگر گزار افتاد — میطپد سنگِ آستانهٔ ما

پرده بردار شاهد ازلیم — طور میسوزد از زبانهٔ ما

حرفی از ما کسی نمیشنود — وای بر ما و بر فسانهٔ ما

سازِ عشق آتشیں نوایم کرد — شعله میریزد از ترانهٔ ما

از خمار سحرگهی پاک است — مستی بادهٔ شبانهٔ ما

وه چه صیدیم ما که قوسِ قضا — بر خطا میزند نشانهٔ ما

جرعهٔ خانمان خرابم کرد — حیف بر عشرتِ مغانهٔ ما

برق را لرزه بر تن افتاده است — کرد تا قصدِ آشیانهٔ ما

آن شرابی کش آبِ مینامند
آتشی گشت در زمانهٔ ما

دلِ مضطر چو در کنارِ من است — برقها خفته در مزارِ من است

هر کرا زرد رُو همی نگرم — دانم البتّه رازدارِ من است

تشنۀ برقِ عافیت سوزم — هر کجا دشمنی استٰ یارِ من است

قدر اندازِ تیر فریادم — عرش و کرسی زبون شکارِ من است

کعبۀ عاشقان شود روزی — هر کجا نقشِ پای یارِ من است

یک دلِ تست فارغ از حالم — ورنه یک شهر غمگسارِ من است

واعظا تن زن از فسانۀ خلد — شاهدِ شوخ در کنارِ من است

بر درِ کیستم جبیں فرسای — جبهۀ ما و اعذارِ من است

تا بیادِ تو اشکبار شدم — گریۀ ابر شرمسارِ من است

از عملهای ما چه میخیزد — عفو از لطفِ کردگارِ من است

طائرِ نخل سدره و طوبیٰ — نغمه پیرای شاخسارِ من است

می شناسم دلِ تبسّم را
در غمِ عشق رازدارِ من است

۵

حرفی که از میانهٔ دل بر زبان رسد
تیری بود که در جگر آسمان رسد

ما نقدِ دل بکیسه و بازارِ عاشقی است
اکنون چه باک سود رسد یا زیان رسد

گر رخشِ تیز گامی و گر مورِ سست پای
با تو هر آنچه رزقِ کفیل است آن رسد

شادم به ضبطِ دل که چنانم دهد فشار
تا کار غم بسوختنِ استخوان رسد

یک اشک تلخ زآن سرِ مژگان چکیدنی است
ای جان توقفی که ترا ارمغان رسد

خاکِ شهید را بحقارت نگه مکن
کین است آن زمین که سرِ آسمان رسد

○

محیطِ آسمان گردید ابرِ نوبهار امشب
خنک آن کس که دارد مه جبینی در کنار امشب

از آن روی دلاویزی نگه برداشتن نتوان
دریغ از رازِ پنهانی که گردد آشکار امشب

گهی رویش بپوشاند گهی زلفش برافشاند
بچشم جلوه سازد گردشِ لیل و نهار امشب

تو و اغیار و صحبت های عیش و نغمه و باده
من امشب دیده امشب آستین امشب کنار امشب

چه آزار ای خدا محرومی ذوقِ نظر باشد
نگه در دیدهٔ من می خلد چو نوکِ خار امشب

ز شیخ و شاب میخیزد لعشقت شور یارب ها
شد از بیدادِ تو ویران، چه مسجدها، چه مکتب ها
اگر آن شوخ، آسوده است در آغوش قالب ها
چه آزار است در دلها چه فریاد است بر لب ها
ز من پرسید کیف و مستی خوابِ شب وصلی
که من هم در برِ مه پیکری آسوده ام شب ها
مرا معذور دار از لب کشائی اندر آن محفل
که بی رنگ پذیرائی است نقشِ عرضِ مطلب ها
چو خواہی گُل بدامانی، ببر کُن جامۂ رندی
که جز خاری نگنجد در قبای تنگِ مذہب ها
چو از کیفیتِ شب یک جہان در خواب میباشد
دلم پیغامِ تو میخواند، از سیمای کوکب ها
مگر صہبائیِ رنجور از یں عالم سفر کرده است
که امشب نیست آن ہنگامۂ فریادِ یارب ها

○

زمنّت چرخِ دوران در سجود آرد سرِ ما را
اگر یک لحظه اندر گردش آرد ساغرِ ما را

مگر در روزِ اوّل از یک آب و گل بنا کردند
شکیبِ قلبِ ما و التفاتِ دلبرِ ما را

ستم‌های نهانش بین که بعد از مرگِ من خواهد
که گرد و ناله هم مُهرِ دهان نوحه گرِ ما را

خوشا روزی که از تابانیِ نقشِ کفِ پایت
فروغِ آسمان تابی دهی خاکِ درِ ما را

دلِ ما اے خدا تنهائیِ ما بر نمی تابد
بریز از آسمان برقی که سوزد بسترِ ما را

شب است و یک جهان اندر سکوتش میکند خوابی
بیا شرمندهٔ حیرت مکن چشمِ ترِ ما را

مرا از تنگیِ ایمان خود آگاه میدارد
خدا ما جور سازو مومنِ کافرگرِ ما را

○

خوشا نصیب که زیبِ کنارِ من باشی
قرارِ جان و دلِ بیقرارِ من باشی

غرور و ناز بیک سو نهی و از رهِ لطف
نیازمند شوی، غمگسارِ من باشی

حدیثِ درد و الم بشنوی ز راهِ کرم
به چاره سازیِ جانِ فگارِ من باشی

ز التفاتِ نگه های لطف و خندهٔ لب
الم ربایِ دلِ سوگوارِ من باشی

بساطِ عیش بچینی و باده پیمائی،
بمستی آئی و اندر کنارِ من باشی

سحر بدامنِ شامِ سیاه من ریزی
فروغِ طالعِ لیل و نهارِ من باشی

جهان ز حسنِ تو همواره گلشن آباد است
چه خوش بود که یکی نوبهارِ من باشی

○

هر کس بهم آمیزد با شاهد رعنائی
در گوشهٔ محرومی مائیم و تمنائی

ای آنکه بدل عزم سیر چمنی داری
از خاطر مشتاقان خوشتر نبود جائی

در کعبه نیارامد، در دیر نیاساید
آن را که تو بخشیدی یک دیدهٔ بینائی

بر روی صنم باید بیباک نظر کردن
دُزدیده نگاهی نیست آئین تماشائی

زین پیش ندانستم صهبائی بیدل را
بر خاک رهی دیدم افتاده جبین سائی

○

اگر آن شوخ نازک بر نمی تابد فغانی را
باهی میتوان هم عرضه دادن داستانی را

چه باشد گر بما افتد نگاهِ گوشۀ چشمی
که از نیم التفاتی زنده دار و یک جهانی را

بکنجِ خلوتِ من گوشه از خلد میبباید
که دارم آرزوی میزبانی میهمانی را

ز من رنگینیِ آن عارض خندان چه میپرسی
بجوشش نو بهاران و یده باشی گلستانی را

ز تاثیرِ لبِ خاموشِ من غافل مشو نادان
که پنهان کرده ام اندر بُنِ هر مُو فغانی را

سر ما از حرم داغِ سجودی بر نمی تابد
که عمری پرستیدیم خاکِ آستانی را

کرا در محفلِ نکته وری تابِ سخن باشد
خموشی ارمغان آورده ام شیرین بیانی را

غرورِ ناروا، هرزه ستیزه کاری و خصمی
چه نسبت ها بود با آسمان نا مهربانی را

چه سیلِ دلفریبی زان نگاه نا زمیخیزد
تبسم نیک بشناسم ادای دلستانی را

O

در کوی تو امروز ز ما خسته تری نیست
افتاده براهیم و کسی را خبری نیست

بیچارگیِ شوق نگه کن که به هر سو
صد جلوه عیان گشته و تاب نظری نیست

ما دادِ وفا از تو بخواهیم وگرنه
در دهر بتی نیست که بیدادگری نیست

گر عالمی از حالِ من آگه نبود، چیست
داغم ز غم این که ترا هم خبری نیست

صد شیوهٔ زیباست که در حُسن نهان است
این بیدلِ ما ز فسون نظری نیست

ای چرخ چه فردا و چه دیروز که از هجر
در خانهٔ ما گردشِ شام و سحری نیست

از گریه چه حالِ تو زبون است تبسم
ای کاش بدانی که فغان را اثری نیست

○

بهار میرسد اکنون چه دانش و فرهنگ
بنوش یک دو سه ساغر ز بادهٔ گلرنگ

بیا بمیکده تا صد جهان طرب یابی
بصومعه چه نشینی فسرده و دلِ تنگ

ببین بمحفلِ رندان که مطربی شوخی
ربوده خاطرِ مستان بسازِ خوش آهنگ

به نشّه زمزمه خوان میکشان جام بدست
بناز رقص کنان شاهدانِ شوخ و قشنگ

یکی صراحیِ می دَر بغل ، قدح بَر کف
یکی به لابه بسرِ دامنِ نگار به چنگ

تو نیز جام بدست آر و شاهدی بکنار
که در روانیِ عمرِ دو روزه نیست درنگ

ه

نظر بر ساقی و سر بر در پیرِ مغان بود است
مرا هم اندرین دارکهن بختِ جوان بود است

چه عنوانِ ستیزه کاری از هر ذرّه میریزد
تو گوئی سرزمین کوی جانان آسمان بود است

فغان از انقلاب گردشِ دوران که ناگاهان
شود نا مهربان یاری که عمری مهربان بود است

خیالت در نگه رقصان و من در سعی اخفایش
چه میپرسی که مرگم نیز دقتِ امتحان بود است

غلط است این که ذوقِ بادهٔ ایمان ندانستم
خیالش در دلم بود است و نامش بر زبان بود است

خمارِ بادهٔ وصلی بسر داری چه میدانی
که حالِ من به هجرانش چنانست و چسان بود است

ستم کردی تبسّم در هجوم میکشان رفتی
وگرنه پیش ازیں می نوشیت رازِ نهان بود است

ە

دست در زلف و نظر بر رُوی یاری داشتم
ای خوشا روزی که بخت سازگاری داشتم

هیچ باک از خصمیِ گردونِ گردانم نبود
ایمنی در سایهٔ دیوارِ یاری داشتم

از چه استغنا زدم پا بر سرِ آفاتِ دہر
من که خود در دیارِ غمگساری داشتم

در نگاہم آسمان بیش از کفِ خاکی نبود
وہ چه نازشہا بخاکِ راہگزاری داشتم

خلوتِ بیغش نشاطِ روزگارم بود و بس
از جہان بریدم و با خویش کاری داشتم

ذوقِ پابوسش چنان دامانِ دل بگرفته بود
ہم بکوی او تمنای مزاری داشتم

ظلمتِ غم امتیازِ صبح و شام بُردہ است
ورنه من ہم پیش ازین لیل و نہاری داشتم

آہ ازین افسردگیِ دل، تبسّم آن منم
کز وفورِ شوق در بر شعله زاری داشتم

○

یارم اندر کنار میآید

در چمن نوبهار میآید

از وفا نغمه های خوش ریزد

وز جفا شرمسار میآید

چون نسیم شمال میخیزد

مثل ابر بهار میآید

شکر افشاند از لب جان بخش

وز نگه باده بار میآید

به دو چشمم سرور میبخشد

در دلم چون قرار میآید

برغم عشق میکنم نازی

که مرا غمگسار میآید

برغم ما بسی تبسم کرد

باری هم اشکبار میآید

○

دست در زلفِ یار میباید — سر بپایِ نگار میباید

فصلِ ابر و بهار و باران است — شاهدی در کنار میباید

شوقِ تیز است و خلوتِ بیغش — شغلِ بوس و کنار میباید

چیده ام بر بساطِ جام و سبو — ساقیِ میگسار میباید

گر بخُلدم همی برند چه سود — که مرا کوی یار میباید

به نگاهی بیان کنم غمها — در سُخن اختصار میباید

سرِ کوی تو دامنم بکشد — که همین جا مزار میباید

سالها باده در خِفا خوردم — هم یکی آشکار میباید

نیست انکارم از شراب ولی — جام در دستِ یار میباید

تا سُرورِ حیات یابد مرگ — چشم بر رُوی یار میباید

این همه جوششِ غم تبسم چیست
بر دلت اختیار میباید

○

پرده از چهرهٔ رازِ تو کشیدن ندهم
گر همه خون بودم دل به چکیدن ندهم

گر بود نیش بکامِ دل و جان هم ریزم
غیر را بادهٔ شوق تو چشیدن ندهم

عالمی هست بتاریکیِ شبهای فراق
گردمد صبحِ وصالِ تو دمیدن ندهم

تا بوحشت نکُنم چاک گریبانِ شکیب
غنچه ای را به چمن جامه دریدن ندهم

ای شه حُسن یکی عجز و نیازم بپذیر
تا بر آرم سره بازش نجمیدن ندهم

دل و جان نذرِ یاری میتوان کرد   به عمرِ خویش کاری میتوان کرد

مزاجِ یار آهی بر نتابد   ازین نیز اختصاری میتوان کرد

که تابد انتظارِ نوبهاران   نظر بر روی یاری میتوان کرد

ز مرگِ افزود ذوقِ پائمالی   به کویش هم مزاری میتوان کرد

بگیرم نیش باشد تلخیِ مرگ   به یادش خوشگواری میتوان کرد

دلی کو در شبستانی نگنجد   غبارِ رهگذاری میتوان کرد

چو کاری از دعاها بر نیابد   به چشمِ اشکباری میتوان کرد

اگر در کعبه زندان را گزر نیست   طوافِ کوی یاری میتوان کرد

به بزمش بار یابد هر زمانی
صبا را رازداری میتوان کرد

ن

دلم بربود شوخ جلوه زائی
نگارین پیکری رنگین ادائی
نگاهش میفروش دلنوازی
ادایش فتنه خیز جان گزائی
حدیثش روح را سرمایهٔ جان
تبسّم صبر را برق بلائی
درآن محفل که عشقش جلوه ریز است
شهنشاهی نیرزد باگدائی
کلیمی در تجلّی زارِ طور است
نگه بر رُوی شوخِ پارسائی
بیفشان یک دو اشک خون بچشم
کزین خوشتر نباشد خون بهائی
خیالش گشت مضرابی وگرنه
دلِ ما بُود سازِ بی صدائی
برو ای همنشین از من چه پرسی
که رازِ دل نگویم با خدائی

○

شریکِ بزمِ نہ ای دل زگلستان بردار
بہ گل اگر گذرت نیست، آشیان بردار

الم اگر ہمہ آتش بود بدل انداز
وفا اگر ہمہ باشد زیان، بجان بردار

کشیدہ ایم بسی رنج امتحان برخیز
فتادہ ایم بہ راہِ تو نیم جان بردار

نیازِ شوق ترا بی نیاز باید بود
حریفِ وصل شدی سر ز آستان بردار

زمانہ عہدِ وفا از تو چشم میدارد
بیا و رسمِ تغافل خود از میان بردار

فسانۂ تو بخواب آورد ملائک را
اگر حریفِ توانی شدن، فغان بردار

تبسّم از طلبِ عیشِ جاودان داری
بیا بخلوتِ ما و دل از جہان بردار

○

گوہر شود بگوشِ نگاران رسیده باش
یا ہمچو اشک از سرِ مژگان چکیده باش

در بزم ہمچو شمعِ فروزان بر آر سر
در رزم ہمچو تیغِ صفاہان کشیده باش

پایت ستوه آید ازین عقلِ امن کوش
دستِ جنون بیار و گریبان دریده باش

در مرغزارِ حسن بسی آرمیده
در کارزارِ شوق یکی دل رمیده باش

لرزی که خارِ راه کند پای تو فگار
رو ہمچو نیش در رگِ منزل خلیده باش

○

بس آه و فغان کشیده ام من — بس شام و سحر طپیده ام من

دیدم سحرِ شب وصالش — دیگر سحری ندیده ام من

از جورِ فلک سخن نگوئید — اندر برش آرمیده ام من

از خامشیم دگر مپرسید — حرفی ز لبش شنیده ام من

بس خار بدامنم درآویخت — از بهر گلی که چیده ام من

جان داده اُلفتم ز آغاز — انجامِ وفا ندیده ام من

در ہجرِ تو بس خمار آورد — صد جام و سُبو که چیده ام من

از من سخنی نمی کُنی گوش — بہرِ تو چہا شنیده ام من

گفتی بچه ارزد این تبسم
اینک بلبت رسیده ام من

○

چشم را اشکبار تر گردان
قلب را سوگوار تر گردان
جذبۂ عشق را نہایت نیست
رُوح را بیقرار تر گردان
چشم را نیست تابِ محرومی
حُسن را آشکار تر گردان
عشق را غمگسار پیدا نیست
درد را سازگار تر گردان
راحتی نیست زندگانی را
مرگ را خوشگوار تر گردان
یا نگاہی بحالِ زارم کُن
یا دلم را فگار تر گردان
در جہان فرصتِ تبسّم نیست
چشم را اشکبار تر گردان

○
رباعی

غم بدل سازکار افتاده است
جانِ من در فشار افتاده است

حُسن را گو حجاب نپسندد
عشق بی اختیار افتاده است

گریه بر من کند سحاب بهار
چقدر غمگسار افتاده است

کس نمی بیند و نمی گیرد
دل سرِ رهگزار افتاده است

دل به چیزی دگر نمی بندم
چشم بر رُوی یار افتاده است

حُسن با این همه حجاب و نقاب
چقدر آشکار افتاده است

آن نگون طالعم که در غمِ من
بخت هم سوگوار افتاده است

باهوس پیشگان بساز و حُسن
عشق از اعتبار افتاده است

○

حُسن پیدا ہست و پنہان نیز ہم
بازکُن چشمِ دل و جان نیز ہم
نشترِ غم را ز دل بیرون مکش
تا خلد اندر رگِ جان نیز ہم
ہر کہ از ذوقِ نظر شد بہرہ ور
در خزان بیند بہاران نیز ہم
جان سپردن گرچہ دشوار است لیک
میشود این کار آسان نیز ہم
دست در دستِ کسی دادن چہ سُود
با تو قرآن است فرقان نیز ہم
بودہ ای مفتی و مُلّا و فقیہ
کاش میبودی مسلمان نیز ہم
گرچہ شیرین است خوابِ زندگی
میشود خوابِ پریشان نیز ہم
گرچہ خوش باشد تبسم بر لبت
حُسن دارد چشمِ گریان نیز ہم

ه

گردید حالِ من ز غمِ ہجر زار تر
دل بیقرار تر شد و جانِ سوگوار تر

سازم بہر بلای کہ از آسمان رسد
تا کلفتِ غمِ تو شود سازگار تر

دانستہ ام کہ در پسِ ہر خندہ گریہ ایست
زین غم شدہ است دیدۂ من اشکبار تر

یاران بصحنِ باغ نشینیم و میخوریم
باشد کہ نو بہار شود نو بہار تر

چشمیکہ بادہ ہا خورد از حُسنِ مستِ یار
از مستِ میگسار بود میگسار تر

بی پردہ جلوۂ تو گداز نگاہ را
حُسنِ تو در حجاب بوَد آشکار تر

زآن نا اُمیدی کہ بتو در نمیرسد
دل شرمسار و چشم از آن شرمسار تر

○

دل تو معرکهٔ سوز و ساز باید نیست — لب تو زمزمه پیرای ناز باید و نیست

شد است حُسن ز چشمِ جهانیان مستور — که عشق را نگهِ پاکباز باید و نیست

بیان کُفر چنین دلنشین نباید و هست — حدیثِ شیخِ حرم دلنواز باید و نیست

میانِ کعبه و بُت خانه فرق میورزند — میانِ عشق و هوس امتیاز باید نیست

نگاهِ من به ثریا فتاده است چه شود — که بر در تو جبینِ نیاز باید و نیست

فتد ز دامن هر ذره رازها بیرون — حقیقتی که نتابد مجاز باید نیست

میانِ باده گساران هجومِ تفرقه‌هاست — که پیرِ میکده، دانای راز باید و نیست

شکایتِ غمِ هجران نمی شود کوتاه — حکایت شب وصلی دراز باید و نیست

دِلم گُداخت تبسّم ز رنجهای خمار
پیالهٔ میِ مینا گداز باید و نیست

O

حُسن را ہر لحظه در کار است سامانی دگر
ہر دم آیم بر درِ تو با دل و جانی دگر

جلوهٔ حُسنِ تو تنها در خورِ چشمِ من است
این گُلِ خوبی نگنجد در گریبانی دگر

از گلستانِ مسرت غنچه ها بر چین که زود
میرسد این گُل ز دامانی بدامانی دگر

زندگی خوابِ پریشان است تعبیرش مپرس
تا نگردد سعیِ تو خوابِ پریشانی دگر

ہر سحر نظاره را تازه کن از ذوقِ جمال
تا دمد از صبحِ تو صبحِ درخشانی دگر

رشتهٔ تسبیح از زنار سازد شیخِ ما
میدہد ایمان خود را رنگِ ایمانی دگر

بگذر از منزل، ندانی، عاشقان را در تلاش
هر قدم می اوفتد اندر بیابانی دگر

ساز جان بنواز تا یابی نوای تازه ای
زخمه بر دل زن که زان میخیزد افغانی دگر

رُوح را آزاد کُن از بندِ تعمیرِ وجود
ورنه این قیدِ تو اندازد بزندانی دگر

گرچه دشوار است چو اقبال زین بستان سرا
با چنین فکرِ بلند آید سخندانی دگر

میرسد از تربتِ خسرو تبسّم این ندا
از دیارِ هند میخیزد زبان دانی دگر

○

آئینِ نیاز را سر آور در عرصهٔ دہر سر بر آور

سجادہ و خرقہ یک طرف نہ شمشیر و سنان و خنجر آور

آدابِ جنون شوق آموز دستورِ خلیلِ آذر آور

صد جان بہ رہِ وفا بکار است یک جان بسپار و دیگر آور

رفتارِ حیات تیز تر کن حیرت بہ خرامِ محشر آور

ہر گام بہ منزلِ دگر باش خود را بجہان خوشتر آور

این آہِ شکستہ پا چہ داری فریاد سبک عنان بر آور

در خرمنِ ضبط شعلہ ہا ریز صد حشر بجانِ مضطر آور

در حلقۂ حامیانِ ملت سوزِ دل و دیدۂ تر آور

"طوفان چہار موجہ داری

کشتیِ ہزار لنگر آور"

(نظیری)

○

حریفِ ذوقِ دیداری نباشد — ہوس را جرأت کاری نباشد

غمِ دل را نباشد چارہ سازی — وفا محتاجِ غمخواری نباشد

چہ باشد آن گلستانِ مسرت — کہ گلہا باشد و خاری نباشد

چہ باشد آن شبستانی کہ دروی — ستم کیشی، دل آزاری نباشد

ہوس ہم رازِ اُلفت میکند فاش — چو منصوری کہ بر داری نباشد

در آن محفل کہ رازِ عشق گویند — فغان آئینِ گفتاری نباشد

بود از صیدگاہِ عالم آزاد — اسیرِ تو گرفتاری نباشد

محبت سر زند در عالمِ پاک — محبت را گنہگاری نباشد

تبسم داستانِ حسن، تنہا
حدیثِ زلف و رخساری نباشد

○

جهانی خنده ریز از دل جهانی اشکبار از دل
دریں باغِ وجود آمد خزان از دل بهار از دل

ز آتش ریزیِ داغِ درونِ لاله یاد آرم!
که من هم شعله زاری داشتم اندر کنار از دل

بدل بیهوده طرحِ وصل یاری نقش می بستم
ندانستم که این تسکین برد صبر و قرار از دل

چه آتش ریخت در مغزم، چه برق افتاد بر جانم
بجای قطرهٔ خونم فرو ریزد شرار از دل

بسعی ضبطِ رازِ من پذیرد صورت اشکی
وگرنه شعله ها ریزد بچشم اشکبار از دل

نه در آهم اثر نَی در نگاهم جلوه ای گنجد
دلم شرمندهٔ چشم است و چشمم شرمسار از دل

○

بیا چه جای شکایت ز جورِ افلاک است
ببین که وقتِ گل است و هوا طربناک است

ببین که جوشِ بهاراں جنون نواز آمد
ببین که دامنِ گلها ورق ورق چاک است

بیا که بی‌تو قبای حیات باشد تنگ
بیا که بی‌تو گریبانِ آرزو چاک است

بیا که بی‌تو شکیبا نمی شود خاطر
بیا که چشمِ تمنّا هنوز نمناک است

ز بس که ریزشِ مستی کند سحابِ بهار
نگاهِ نرگسِ شهلا بخوشه‌تاک است

فلک بااینهمه چشمِ ستاره ها، نبود
حریفِ ذوقِ نگاهی که در کفِ خاک است

غرورِ تمکنت تاج خسروان شکند،
ز بیم غمزه که در یک نگاهِ بیباک است

کرامتِ غمِ ہجراں دوست را نازم
که سینه داغ جهیم است و چشم نمناک است

چه باده ریخته امشب بجامِ ما ساقی،
که نشّه اش ز خمارِ سحرگهی پاک است

حدیثِ خلوتیانِ حرم مگو که مرا!
نظر به جلوه گهِ شاهدانِ چالاک است

کجاست جلوهٔ رنگین که امشب از غیرت
جبینِ شمعِ شبستانِ ما عرقناک است

○

بیانِ اہلِ محبت بجز اشاره نبود
حدیثِ درد نهفتیم ما که چاره نبود

بهار آمد و در صحنِ گلستان نخزید
که چشمِ اہلِ چمن در خورِ نظاره نبود

اثر نواز ندیدی درونِ بلبل را
وگرنه سینهٔ گل نیز بی شراره نبود

درین دیارِ کهن زیستیم ما صد بار
اگرچه در رهِ هستی گذر دوباره نبود

○

درین کُنجِ بیابان ہمنوائی کردہ ام پیدا
میانِ این غریبان آشنائی کردہ ام پیدا

قفس را آشنائی دادہ ام با نغمہ شیرین
ازین بی دست پائی دست و پائی کردہ ام پیدا

گزشتم از دو عالم در دل اُو یافتم راہی
چہ دنیا دادہ ام ویران چہ جائی کردہ ام پیدا

دل و جان را نثار آوردہ ام در راہِ مشتاقی
متاعِ زندگانی را بہائی کردہ ام پیدا

ہزاران غم فرو خوردم، برون آوردہ ام آہی
ہزاران ساز بشکستم نوائی کردہ ام پیدا

نباشد چارۂ دردی بجز رنجوریِ دیگر
خوشا طالع کہ دردِ لا دوائی کردہ ام پیدا

○

از تو نصیبِ ما زنگاهی نبود بیش — در بارگاهِ حُسن گناهی نبود بیش

در یک حدیثِ شوق بگفتیم حالِ دل — آن یک حدیث نیز زآهی نبود بیش

خواندیم داستانِ شکوهِ سکندری — این ماجرا ز حرفِ کلاهی نبود بیش

دیدیم بی تو روی شبِ ماهتاب را — از کهکشان و انجم و ماهی نبود بیش

دیوانهٔ تو از سرِ دیر و حرم گذشت — هرچند این دو مرحله راهی نبود بیش

هرچند رسید بپایان شبِ فراق — آن صبح هم ز شامِ سیاهی نبود بیش

دیدیم پایمالیِ درویشِ بی نوا — جز راز سربلندیِ شاهی نبود بیش

آن گلستانِ شوق که بوی وفا نداد — آن گلستان ز مشت گیاهی نبود بیش

رنگینیِ شبابِ تبسّم چه سحر بود
آلامِ دهر از پرِ کاهی نبود بیش

O

من نشانِ کاروان گُم کرده ام
نقشِ پای رهروان گُم کرده ام

کرده ام گُم جادهٔ راهِ وفا
هم نمیدانم چسان گُم کرده ام

آمده نامش میانِ داستان
داستان را درمیان گُم کرده ام

کس نباشد دشمنِ خود همچو من !
التفاتِ دوستان گُم کرده ام

سر برآوردن نمیدانم که من
سجده را در آستان گُم کرده ام

ہ

رنگِ چمن فریفتۂ جلوہ گاہ کیست
این رونقِ بہار ز ذوقِ نگاہ کیست

زین پیش صبح و شام من این تیرگی نداشت
دانستہ ام ز گردشِ چشمِ سیاہ کیست

شادم ازین کہ ہست سرِ من براہ او
داغم ازین کہ خاکِ درش سجدہ گاہ کیست

زلفِ تو خو گرفتہ ز بختِ سیاہ من
چشمِ تو رم نمودہ ز جوشِ نگاہ کیست

آشفتہ شد ز زلفِ پریشان او دلم
رنگِ رخش پریدہ ز تاثیرِ آہ کیست

باین ہمہ شکیب نہ ماند بیک قرار
حالِ دلم فسانۂ لطفِ نگاہ کیست

این نازکی و آہ و بکا، این چہ ماجراست
ای جانِ من بگو کہ دلت دادخواہ کیست

جان برلب آمدہ ز تغافل گناہ من
برلب رسیدہ نیم تبسّم گناہ کیست

O

چشم در ہجرِ تو خوننابہ فشان است ہنوز
لب بہ یادِ تو نوا سنجِ فغان است ہنوز

نخلِ اُمیدِ مرا برگ فرو ریخت ز شاخ
گلِ حُسنِ تو بہارِ دگران است ہنوز

حُسن یک جلوہ نمود و ز نظر پنہان گشت
عشق حیرت زدہ ہر سُو نگران است ہنوز

O

از بسکہ شعلہ ریز بود داستانِ ما
جز آہ صورتی نپذیرد بیانِ ما

حرفی ہنوز زان رُخِ تابان نگفتہ ایم
کز سوزِ شعلہ گشت زبان در دہانِ ما

زاہد دگر خروشِ نیارد ز جوشِ دین
گر بشنود حقیقتِ کفر از زبانِ ما

○

ہر آن کرشمہ کہ از چشمِ یار میریزد
شرر بجان و دل اختیار میریزد

شہید جلوۂ آن مہر پر توم کہ ز تاب
سحر بدامنِ شب ہای تار میریزد

ببین بشوخی انداز نقشِ پا کہ جبین
ہزا سجدہ بہر رہگزار میریزد

قدِ تو رونق سروِ طراز میکشند
رُخ تو خونِ دلِ نو بہار میریزد

○

درد را ہست بدرمان سروکاری از من
ہر خزان است در آغوشِ بہاری از من

جلوہ ہا ریز بخلوت گہِ من، تا باشد
صبح و شامی ز من و لیل و نہاری از من

○

هر نگاهی که برون آمد و روی تو ندید
قطرهٔ اشک شد و از سر مژگانم ریخت

خواستم شرح و هم سوز المهای فراق
صد جهیم آمد و در کام دل و جانم ریخت

کیست شانه کشِ آن زلفِ پریشان که دگر
بخیهٔ صبر و شکیبم ز گریبانم ریخت

○

به حور انس نه گیرم که آشنای توام
به آسمان ننشینم که خاکِ پای توام

ز کیفِ شوق چنان بیخودم نمیدانم
من از برای خودستم که از برای توام

متاع هر دو جهان در نگاهِ من نخلد
همین بس است که درویش بی نوای توام

بدل چه راه و هم نغمه های بلبل را
فریب خوردهٔ گفتارِ جانفزای توام

یک گوشهٔ عافیت گزینیم

ای نشئهٔ جامِ هستیٔ من — ای جوشِ شباب مستیٔ من
ای رُوح و روانِ زندگانی — ای جانِ نشاطِ جاودانی
ای غیرتِ نوبهار برخیز — ای رونقِ روزگار برخیز
برخیز که خلوتی گزینیم
فارغ ز غمِ جهان نشینیم

هرکس به سُرورِ روزِ عیداست — دارد قدحِ شراب در دست
در صحبتِ یارِ غمگساری — بنشسته بروی لاله زاری
آن سیرِ رُوی دوست بیند — وین گُل زکنارِ یار چیند
ما نیز بساطِ عیش چینیم
فارغ ز غمِ جهان نشینیم

آنجا که غمِ جهان نباشد — اندیشهٔ این و آن نباشد
از هستیِ بی ثبات فارغ — از کشمکشِ حیات فارغ
در وادیِ زیرِ کوهساری — بر سبزهٔ طرفِ جویباری

در گلکدۂ فضای فطرت پاکیزہ تر از بہار جنت
آنجا کہ ز جوشِ نو بہاران ہر ذرہ بود چمن بداماں
ہر آہِ سحر نسیم باشد ہر موجِ نفس شمیم باشد

برویم و بساطِ عیش چینیم
فارغ ز غمِ جہان نشینیم

آنجا کہ نسیم مشکبار است میخانہ بدوشِ آبشار است
آنجا کہ صدای موجِ مضطر از نغمہ بود طرب فزاتر
از آبِ روان نشاط خیزد از ابر، شرابِ ناب ریزد

آنجا برویم و خوش نشینیم
یک گوشۂ عافیت گزینیم

صبحِ آزادی

این سحر شمس و قمر را بکنار آورده است
این سحر طالعِ صد لیل و نہار آورده است

دورِ ایام ندارد سحری بہتر ازین

این سحر خوش صلۂ جذبۂ آزادی ماست
این سحر مظہرِ ہنگامۂ آبادی ماست

نیست در باغِ تمنا ثمری بہتر ازین

صلہ ای ہست ولیکن قدری زین خوشتر
ثمری ہست ولیکن ثمری زین خوشتر

کہ بوَد دستِ عمل را اثری بہتر ازین

راحتی ہست کہ در جیبِ بہاران نبود
دولتی ہست کہ در سینۂ صد کان نبود

از دلِ بحر نخیزد گہری بہتر ازین

جادہ بس تیرہ و تار است نظر تیز ترک
راہ دشوار گزار است سفر تیز ترک
قدمی پیش نہادی ، دگری بہتر ازین

خیز ہان خیز کہ داریم بہر سو درپیش
خیز ہان خیز کہ داریم من و تو درپیش
سفری بہتر ازین ، رہگذری بہتر ازین

قائدِ اعظم

برقی از جا خاست می جنبید و پیچید و رفت

در جہانِ زندگی یک دو نفس لرزید و رفت

بر زمین انداخت نورِ سایۂ آسودگی

بر سرِ ما ہمچو ابرِ رحمتی بارید و رفت

صد شرر برمی جہد در سینہ از یادش ہنوز

گوئیا تخمِ شررہا در جانِ ما کارید و رفت

کلبۂ تاریکِ ما را کرد روشن تر ز روز

در شبستانِ وطن ہمچو سحر خندید رفت

در شبستانِ وفا با آرزوہا دل بسوخت

در بیابانِ وغا با برقہا بازید و رفت

این فضا با این ہمہ پہنا سزاوارش نبود

دامنِ دل از جہانِ آب و گل برچید و رفت

وفاتِ قائدِ اعظم

رہروان را نماند رہبری
کاروان میرِ کاروان گم کرد

ذوق ما را نماند رُوی نیاز
سرِ ما سنگِ آستان گم کرد

آبروی نماند عالم را
این زمین بام آسمان گم کرد

بود چون رُوح در تنِ ملت
رفت و ملت متاعِ جان گم کرد

نوحۂ احباب بر رحلتِ تاثیر

میروی ای انجمن آرای ما
میروی ای رونق دنیای ما

میروی ای ساغرِ بزمِ نشاط
میروی ای نشّۂ صہبای ما

میروی و می خماری آورد
میروی و بشکند مینای ما

میروی و صبر از دِلہا رود
میروی و افسُرد جانہای ما

شمعہا بی نور و دلہا بی سُرور
وای بر ما وای بر شبہای ما

گر پسِ امروز فردای بود
وای بر ما، وای فردای ما

میروی بی ما، دریغ از تو دریغ
بی تو زنده مانده ایم، ای وای ما

اشعاری که بداہتہً در مسافرت ایران گفتہ شد

در کتابخانۂ ملّی ایران

چون از دیار خویش بایران روان شدیم
از صحنِ گلستان به چمن آمدیم ما
ہر جا که رفته ایم نبودیم ما غریب
گوی که از وطن به وطن آمدیم ما

مدح جناب آقای دہخدا

گنجینۂ خوبی و بہا را دیدیم
آن کعبۂ اربابِ وفا را دیدیم
آن صبح بہار زندگانی بوده است
آن صبح که رُوی دہخدا را دیدیم

در سفارت کبرای پاکستان گفته شد

در راهِ وفا همنفسانیم که بودیم
بودیم و همانیم و همانیم که بودیم

مستیم زیک میکده و باده و ساغر
شاگرد یکی پیرِ مغانیم که بودیم

ایران همان میهن ما هست که بوده است
امروز همان هم وطنانیم که بودیم

بر مزارِ سعدی گفته شد

نهان بوده است عمری سجده ای اندر جبین من
که تا روزی رسم در خدمت و در پای تو ریزم

در ستائش رامسر گفته شد

ستارگان فلک راہمیں طرف نظر است
چہ جلوہاست کہ در کوہسارِ رامسر است
تو گوئیا کہ بہر گام منزل است نوی
تو گوئیا کہ بہر لحظہ این جہان دگر است
بہر نگاہ ترا ذوقِ تازہ ای باشد
کہ ہر بہار کہ اینجا رسد بہار تر است
ببین بدخترِ دہقانِ سادہ معصوم
کہ بی نقاب ستادہ کنار رہگزر است
مرا بیک نگہ از خویش کرد بیگانہ
ولیک از اثرِ حسن خویش بیخبر است
پیالہ گیرد پیاپی خورد تبسم کن!
کہ زندگانیِ دو روزہ کار مختصر است

رباعیات

یا صحبتِ یارِ غمگساری بایست
یا خود به نصیب من قراری بایست
حیف است که در پی گریبان باشد
دستی که به گردنِ نگاری بایست

ﭤ

دوش از برم آن نگار دامن برچید
صبرم سپری شد و شکیبم بد دید
آهی ز درونِ سینهٔ من برخاست
اشکی شد و از کنارِ چشمم بچکید

ﭤ

خواهم که ز شرّ زنم بجانِ بیداد
وز مهر و وفای دوست باشم آزاد
این را چه کنم که می نسازد با من
فریاد، ز قلبِ ناشکیبا، فریاد!

❊

شبِ خلوت خانہ محشرستان بودہ است
در قالبِ بسمل تو صد جان بودہ است
بودہ است جہانِ پیچ و تاب اندر دل
زُلفت ہمہ شب مگر پریشان بودہ است

❊

با یار بخلوتی زمانی بودن
در مستیِ شوق شعر خوانی بودن
بہ زانکہ بدل کشاکشِ غمِ ہجر
در شورشِ عرصہ جہانی بودن

❊

ہم با تو ز عجز دل شگفتن نتوان
ہم بی تو ضبطِ اشک سفتن نتوان
این جانِ طپیدگان کہ رازش نامند
از غصہ بلب رسید و گفتن نتوان

ٔ

آسائشِ عالم جوانی باتُست
سرمایۂ عیشِ زندگانی باتُست
من خونِ جگر خورم کہ این مزدِ من است
تو شاد بزی کہ شادمانی باتُست

ٔ

از سوزِ غمِ تو استخوانم بگداخت
دلِ خون شد و جانِ ناتوانم بگداخت
ضبطم نگذاشت شکوہِ تو گویم
یک آہ کشیدم و زبانم بگداخت

ٔ

شرم است ز روزگار یاری جستن
ننگ است ز غیر غمگساری جستن
حقا کہ بدوزخی برابر باشد
از سوزشِ عشق رستگاری جستن

*

هر رُست بنای را ثبات از عشق است
هر قالبِ مُرده را حیات از عشق است
زین رشته جواهرِ دو کون است بهم
حقا که نظامِ کائنات از عشق است

*

صوفی زریا بکُنجِ خلوت بنشست
زاهد بگرفت سبحه صد دانه بدست
بر ما بکشود چون حقیقت ، دیدیم
آن قُبّه پرست بود و این جبّه پرست

*

گیرم که خمارِ شوق بیش از بیش است
دانم که دلت ز تیغِ فرقت ریش است
ای تشنه لبِ وصال، این هم بشنو
کین نوش که میخوری سراسر نیش است

❖

یاد آر ز عہدِ خود کہ با ما بستی
بُردی دلِ ما ز مہر و بازش خستی
در حالتِ زارِ من بحیرت منگر
بر خویش نگاہ کُن چہ آفت ہستی

❖

شوریست بہر طرف ز عیدِ قربان
سرمستِ نشاط گشت بزمِ دوران
ما خلوتیانِ کُنجِ غم را چہ سرور
چون صبحِ فراق ہست شامِ ہجران

❖

ای آنکہ دلت بکس قراری نکند
پیمانِ وفا و عہد استواری نکند
زین زود گُسستنِ دلِ تو پیداست
با ما نکند قرار، آری نکند

❊

یارب دل و جان بیقراری دادی
غم دادی و چشم اشکباری دادی
در حسن چه بود خوی کم آمیزی
ما را چه فریب انتظاری دادی

❊

ای روی تو غیرت گلستان برخیز
ای روح و روان نو بهاران برخیز
هر لحظه چون شام هجر گریان باشم
روزی ز برم چو صبح خندان برخیز

❊

رنگینی صحن باغ و بستان از تست
ضو ریزی مهر و ماه رخشان از تست
هر برگ خزان رسیده باشد از من
هر گل که دمد ز نوبهاران از تست

﷽

بس آہ کشیدم و بیاری نرسید
بس نالہ زدم بہ غمگساری نرسید
صد اشک فرو چکید از دو چشمم
یک قطرہ بدامنِ نگاری نرسید

﷽

حُسنِ تو بہارِ شادمانی باشد
وصلِ تو شبابِ زندگانی باشد
فانی است اگرچہ زندگانی، لیکن
یادِ تو بہشتِ جاودانی باشد

﷽

در باغِ چمن چمن دمیدہ است بہار
صد غنچہ نو خاستہ چیدہ است بہار
فردوس ہویدا و ہنوز این دلِ ما
در جستجوِ گُل کہ ندیدہ است بہار

*

در دامن هر برگ خزیده است بهار
از سینهٔ هر غُنچه دمیده است بهار
در صحنِ چمن بسی طپیده است بهار
با شوخیِ حُسنت نرسیده است بهار

*

در جوششِ جنوں جامہ دریده است بهار
صد نعرهٔ مستانه کشیده است بهار
ز آشفتگیِ سُنبلِ پیچان لرزد
بی تابیِ زلفِ تو ندیده است بهار

قصیدهٔ افتتاحیه خانهٔ فرهنگ ایران، لاهور

گوئی دو قالبند با یک جان — ارضِ ایران و ارضِ پاکستان

گوئی یک مه بود دگر خورشید — این عیان را چه حاجت است بیان

درمیان نقشِ غیر پیدا نیست — بود آن این و این بود هم آن

هر یک از خویش صورتی بیند — عکس آئینه اندر آئینه دان

ربطِ ما ربطِ معنوی باشد — که بود در سرشت ما پنهان

ربطِ معنی بود سعادت ما — دولت خوش، متاعِ خوش نظران

هر دو را رواجِ زندگی است هنر — هر دو را فضل و دانش است ایمان

هر کجا حرفِ دلنشین باشد — هر کجا ذوقِ خوش و بهند نشان

هر کجا شعرِ دلنواز بود — هر کجا لطفِ فن بود بجهان

سر کشد هم ازین دو چشمهٔ فیض — میشود هم ازین دو راه عیان

باری این اشتراکِ احساسات — در دل ما خزیده است چو جان

از صفای وفای قلبی ماست — این محبت که هست گنجِ نهان

این محبت که شیوهٔ کهن است — قرنها رفت و بوده است جوان

این محبت عطیهٔ ازلی است — این محبت که نیستش پایان

فرق ما بین ما نمی آرد — گردشِ چرخ و گردشِ دوران

جادہ بس تیرہ و تار است نظر تیز ترک
راہ دشوار گزار است سفر تیز ترک
قدمی پیش نہادی ، دگری بہتر ازین

خیز ہان خیز کہ داریم بہر شو در پیش
خیز ہان خیز کہ داریم من و تو در پیش
سفری بہتر ازین ، رہگذری بہتر ازین

قائدِ اعظم

برقی از جا خاست می جنبید و میپچید و رفت
در جہانِ زندگی یک دو نفس لرزید و رفت
بر زمین انداخت نورِ سایۂ آسودگی
بر سرِ ما ہمچو ابرِ رحمتی بارید و رفت
صد شرر میجہد در سینہ از یادش ہنوز
گوئیا تخم شررہا در جانِ ما کارید و رفت
کلبۂ تاریک ما را کرد روشن تر ز روز
در شبستانِ وطن ہمچو سحر خندید رفت
در شبستانِ وفا با آرزوہا دل بسوخت
در بیابانِ وغا با برقہا بازید و رفت
این فضا با این ہمہ پہنا سزا وارش نبود
دامن دل از جہانِ آب و گل برچید و رفت

وفاتِ قائدِ اعظم

رہروان را نماند رہبری
کاروان میرِ کاروان گم کرد

ذوق ما را نماند رُوی نیاز
سرِ ما سنگِ آستان گم کرد

آبروی نماند عالم را
این زمین بام آسمان گم کرد

بود چون رُوح در تنِ ملّت
رفت و ملّت متاعِ جان گم کرد

نوحۂ احباب بر رحلتِ تاثیر

میروی ای انجمن آرای ما
میروی ای رونق دنیای ما
میروی ای ساغر بزم نشاط
میروی ای نشّۂ صهبای ما
میروی و می خماری آورد
میروی و بشکند مینای ما
میروی و صبر از دلها رود
میروی و افسرد جانهای ما
شمعهای نور و دلهای سرور
وای بر ما وای بر شبهای ما
گر پسِ امروز فردای بود
وای بر ما، وای فردای ما
میروی بی ما، دریغ از تو دریغ
بی تو زنده مانده ایم، ای وای ما

اشعاری کہ بداہتہً در مسافرت ایران گفتہ شد

در کتابخانۂ ملّی ایران

چون از دیار خویش با یران روان شدیم
از صحنِ گلستان بہ چمن آمدیم ما
ہر جا کہ رفتہ ایم نبودیم ما غریب
گوی کہ از وطن بہ وطن آمدیم ما

مدح جناب آقای دہخدا

گنجینۂ خوبی و بہا را دیدیم
آن کعبۂ اربابِ وفا را دیدیم
آن صبح بہار زندگانی بودہ است
آن صبح کہ رُوی دہخدا را دیدیم

در سفارت کبرای پاکستان گفته شد

در راهِ وفا همنفسانیم که بودیم
بودیم و همانیم و همانیم که بودیم

مستیم زیک میکده و باده و ساغر
شاگردیکی پیرِ مغانیم که بودیم

ایران همان میهن ماهست که بوده است
امروز همان هم وطنانیم که بودیم

بر مزارِ سعدی گفته شد

نهان بوده است عمری سجده ای اندر جبین من
که تا روزی رسم در خدمت و در پای تو ریزیم

در ستائش رامسر گفته شد

ستارگان فلک راہمیں طرف نظراست
چہ جلوہاست کہ درکوہسارِ رامسراست

تو گوئیا کہ بہر گام منزل است نوی
تو گوئیا کہ بہر لحظہ این جہان دگراست

بہر نگاہ ترا ذوقِ تازہ ای باشد
کہ ہر بہار کہ اینجا رسد بہارِ تراست

ببین بدخترِ دہقانِ سادہ و معصوم
کہ بی نقاب ستادہ کنارِ رہگزراست

مرا بیک نگہ از خویش کرد بیگانہ
ولیک از اثرِ حسن خویش بیخبراست

پیالہ گیرد پیاپی خورد و تبسم کن!
کہ زندگانیِ دو روزہ کار مختصراست

رباعیات

یا صحبتِ یارِ غمگساری بایست
یا خود به نصیب من قراری بایست
حیف است که در پیِ گریبان باشد
دستی که به گردنِ نگاری بایست

٭

دوش از برم آن نگار دامن برچید
صبرم سپری شد و شکیبم بدوید
آهی ز درونِ سینهٔ من برخاست
اشکی شد و از کنارِ چشمم بچکید

٭

خواهم که شرر زنم بجانِ بیداد
وز مهر و وفای دوست باشم آزاد
این را چه کنم که می نسازد با من
فریاد، ز قلبِ ناشکیبا، فریاد!

*

شب خلوتِ خانه محشرستان بوده است
در قالبِ بسملِ تو صد جان بوده است
بوده است جهانِ پیچ و تاب اندر دل
زلفت همه شب مگر پریشان بوده است

*

با یار بخلوتی زمانی بودن
در مستیِ شوق شعر خوانی بودن
به زانکه بدل کشاکشِ غمِ هجر
در شورشِ عرصه جهانی بودن

*

هم با تو ز عجز دل شگفتن نتوان
هم بی تو ضبطِ اشک سفتن نتوان
این جانِ طپیدگان که رازش نامند
از غصه بلب رسید و گفتن نتوان

٭

آسائشِ عالم جوانی با تُست
سرمایۂ عیشِ زندگانی با تُست
من خونِ جگر خورم که این مزدِ من است
تو شاد بزی که شادمانی با تُست

٭

از سوزِ غمِ تو استخوانم بگداخت
دل خون شد و جانِ ناتوانم بگداخت
ضبطم نگذاشت شکوہِ تو گویم
یک آہ کشیدم و زبانم بگداخت

٭

شرم است ز روزگار یاری جستن
ننگ است ز غیر غمگساری جستن
حقّا که بدوزخی برابر باشد
از سوزشِ عشق رستگاری جستن

٭

ہر سُست بنای را ثبات از عشق است
ہر قالبِ مُردہ را حیات از عشق است
زین رشتہ جواہر دو کون است بہم
حقّا کہ نظامِ کائنات از عشق است

٭

صوفی زریا بکُنجِ خلوت بنشست
زاہد بگرفت سبحہ صد دانہ بدست
بر ما بکشود چون حقیقت ، دیدیم
آن قُبّہ پرست بود و این جبّہ پرست

٭

گیرم کہ خمارِ شوق بیش از بیش است
دانم کہ دلت ز تیغ فرقت ریش است
اے تشنہ لبِ وصال ، این ہم بشنو
کین نوش کہ میخوری سراسر نیش است

٭

یاد آر ز عهدِ خود که با ما بستی
بُردی دلِ ما ز مهر و بازش خستی
در حالتِ زارِ من بحیرت منگر
بر خویش نگاه کُن چه آفت هستی

٭

شوریست بهر طرف ز عیدِ قربان
سرمست نشاط گشت بزمِ دوران
ما خلوتیانِ کُنجِ غم را چه سرور
چون صبحِ فراق هست شامِ هجران

٭

ای آنکه دلت بکس قراری نکند
پیمانِ وفا و عهد استواری نکند
زین زود گُسستنِ دلِ تو پیداست
با ما نکند قرار، آری نکند

٭

یا رب دل و جان بیقراری دادی
غم دادی و چشم اشکباری دادی
در حسن چه بود خوی کم آمیزی
ما را چه فریب انتظاری دادی

٭

ای روی تو غیرت گلستان برخیز
ای روح در روان نو بهاران برخیز
هر لحظه چون شام هجر گریان باشم
روزی ز برم چو صبح خندان برخیز

٭

رنگینیِ صحن باغ دبستان از تست
ضو ریزیِ مهر و ماه رخشان از تست
هر برگِ خزان رسیده باشد از من
هر گل که دمد ز نوبهاران از تست

٭

بس آہ کشیدم و بیاری نرسید
بس نالہ زدم بہ غمگساری نرسید
صد اشک فرو چکید از دو چشمم
یک قطرہ بدامنِ نگاری نرسید

٭

حُسنِ تو بہارِ شادمانی باشد
وصلِ تو شبابِ زندگانی باشد
فانی است اگرچہ زندگانی، لیکن
یادِ تو بہشتِ جاودانی باشد

٭

در باغِ چمن چمن دمیدہ است بہار
صد غنچۂ نوخاستہ چیدہ است بہار
فردوس ہویدا و ہنوز این دلِ ما
در جستجوِ گُل کہ ندیدہ است بہار

❊

در دامن هر برگ خزیده است بهار
از سینهٔ هر غنچه دمیده است بهار
در صحنِ چمن بسی طپیده است بهار
با شوخیِ حُسنت نرسیده است بهار

❊

در جوشِ جنوں جامه دریده است بهار
صد نعرهٔ مستانه کشیده است بهار
ز آشفتگیِ سُنبلِ پیچان لرزد
بی تابیِ زلفِ تو ندیده است بهار

قصیدهٔ افتتاحیه خانهٔ فرهنگ ایران، لاهور

گوئی دو قالبند با یک جان　　ارضِ ایران و ارضِ پاکستان

گوئی یک مه بود دگر خورشید　　این عیان را چه حاجت است بیان

در میان نقش غیر پیدا نیست　　بود آن این و این بود همه آن

هر یک از خویش صورتی بیند　　عکس آئینه اندر آئینه دان

ربطِ ما ربط معنوی باشد　　که بود در سرشت ما پنهان

ربطِ معنی بود سعادت ما　　دولت خوش، متاعِ خوش نظران

هر دو ر ارواح زندگی است هُنر　　هر دو را فضل و دانش است ایمان

هر کجا حرفِ دلنشین باشد　　هر کجا ذوق خوش و هندنشان

هر کجا شعر دلنواز بود　　هر کجا لطف فن بود بجهان

سر کشند هم ازین دو چشمهٔ فیض　　میشود هم ازین دو راه عیان

باری این اشتراکِ احساسات　　در دل ما خزیده است چو جان

از صفای وفای قلبی ماست　　این محبّت که هست گنجِ نهان

این محبّت که شیوهٔ کهن است　　قرنها رفت و بوده است جوان

این محبّت عطیّهٔ ازلی است　　این محبّت که نیستش پایان

فرق ما بین ما نمی آرد　　گردشِ چرخ و گردشِ دوران

ما چنینیم و همچنان باشیم ما همانیم و بوده ایم همان

باز این ربط استوار شده باز آسان نمود کار گران

مژدهٔ تازه ای بما برسید از شهنشاهِ کشورِ ایران

بی سبب چون بانگِ سروش بی تقاضا چو رحمتِ یزدان

گشت تأسیس خانه فرهنگ از عنایاتِ خسرو کیهان

ارمغانی که دولت جاری است ارمغانی که هست فیض روان

گشت ازین مرکزِ ادب لاهور رشکِ شیراز و غیرتِ تهران

خاک این شهر گشت تابنده ذرّه ها شد چو انجم تابان

ای خدیو دیار فضل و هنر ای شه ملک دانش و عرفان

از ازل بوده اند چون دل و جان ارضِ ایران و ارضِ پاکستان

استوار است و نگسلد از هم تا ابد ربط دل بود با جان

غائبانه نیاز مندی ما در حضور تو بندد این پیمان

میرسانم ز راهِ صدق و خلوص این پیامِ از زبانِ هموطنان

ما ازین التفاتِ بیغایت هم ازین لطفهای بی پایان

دوستانیم پای بندِ وفا بندگانیم بستهٔ فرمان

هر زمان این نوا زند دلِ ما هر زمان این دعا رسد بزبان

تا جهان است باد پاینده

شاهِ ایران و کشور ایران

بمناسبت ورود اعلحضرت همایون محمد رضا شاه پهلوی شاهنشاه ایران بپاکستان

نظر فگنده سوی ما نگار ما بنگر — گہر فتادہ بجیب و کنار ما بنگر
بیا بخانہ ما و جہان نزہت یاب — بیا بہ گلشن ما و بہار ما بنگر
بیا بہ چہرہ خندان صبح و شام ببین — بیا بہ طالع لیل و نہار ما بنگر
بہ بین بدیدہ خورشید آشنائے ما — بیا بہ چشم فلک اعتبار ما بنگر
کرامت طلب شوق ما نظارہ کن — سعادت کرم کردگار ما بنگر
رسید روز امید و دمید صبح وصال — چہ جلوہ داد شب انتظار ما بنگر
رسید خسرو ایران بہ ارض پاکستان — تصرف عجب روزگار ما بنگر
بسوی ما نظر افتاد شاہ ایران را — شگفتہ روی بخت دیار ما بنگر
شدہ است ذرہ ستارہ ز مقدم مہمان — فروغ خاک سر راہگذار ما بنگر
فزون ز ہمت ما شوق ما تماشا کن — عطای شاہ برون از شمار ما بنگر
فروغ ماہ میان ستارہ دیدی — میان مجلسیان تاجدار ما بنگر

ہم از درازی ہجران شدہ است محکم تر
فسون رابطہ استوار ما بنگر

تضمین بر شعر طالب آملی

این شهر چه شهری است چنین بیدل و بیجان | نی نعرهٔ مستانه نه افسانهٔ آهی
درهای حرم بسته و بتخانه شکسته | نی کفر، نه ایمان، نه ثوابی، نه گناهی
افسرده حدیثی است چه شاهی چه گدائی | بی مایه شکوهی است چه تاجی چه کلاهی
در عزمگهِ عشق نه جوشی نه خروشی | در بزمگهِ حسن نه حرفی نه نگاهی
نی ولولهٔ تهنیتِ صبحِ درخشان | نی نوحهٔ ماتمکدهٔ شامِ سیاهی
نی شورشِ رزمی است نه هنگامهٔ بزمی | نی صلح پژوهی نه کسی عربده خواهی
عشق اینهمه هوش است و خرد اینهمه بی‌هوش | ”دیوانه براهی رود و طفل براهی

یاران مگر این شهر شما سنگ ندارد“

خوابِ گران

روحِ من از فسونِ خوابِ گران
حُسن را جلوه داد در چشمم
تابشی از حیاتِ جاودان

دور از حادثاتِ مرگ و زوال
بی نیاز از طلسم شام و سحر
بی خبر از روانی مه و سال

زخمه از دست رفت و نغمه ز تار
بی نوا جوش میزند ترِ خروش
نه تبسّم بلب، نه غمزه بچشم
یکسره سازِ حُسن شد خاموش

گوئیا این مسافرِ هستی
گشته درمانده از درازی راه
سر نهاده بگردشِ شب و روز
خفته در خاک و خشت و خار و گیاه

(ماخوذ از شاعر انگلیسی وردزورت)

بمناسبت دومین جشن سالانه خانه فرهنگ ایران، لاهور

من زمین و زمان نمیخواهم — خود جهانم جهان نمیخواهم

دل بهار و خزان من باشد — من بهار و خزان نمیخواهم

سر نهادم بر آستانهٔ دوست — من دگر آستان نمیخواهم

خصمی از دشمنان نمیجویم — یاری از دوستان نمیخواهم

شعر من ارمغان من باشد — از کسی ارمغان نمیخواهم

هست هر دم بدل رهی دل را — خویش را در میان نمیخواهم

ماه من هست خسرو ایران — مدد از آسمان نمیخواهم

این سعادت برای من کافی است — بخت خود را جوان نمیخواهم

سخنم هست با سفیر کبیر — سخن از دیگران نمیخواهم

همنوا گشته ام نوائی را — پس دگر همزبان نمیخواهم

خانه ام هست خانه فرهنگ — من دگر غیر آن نمیخواهم

دانش آموز بوده ام همه عمر — هم دگر غیر آن نمیخواهم

شعر غالب بیادم آمده است — غیر آن بر زبان نمیخواهم

"چون حکایت بجای خویش رسید

تن زدم داستان نمیخواهم"

ہدیۂ تشکّر

رسید پیکِ شگفتہ خصال خوش اطوار
از آن خجستہ نواحی بدین خجستہ دیار

پیامِ مہر و محبّت ز دوستان آورد
چون آن نسیم کہ آرد بگُل نوید بہار

رسید و گفت بگوشم حدیثِ دل آویز
رسید و دادِ بمن مژدہ مسرّت بار

چہ مژدہ ای کہ در آغوشِ من افتاد
چو دلبری کہ پس از ہجر میرسد بکنار

چہ مژدہ بود کہ شد آرمیدہ در دلِ من
چو غم بخاطرِ عاشق چو خم بزلفِ نگار

خوشا نصیب کہ این ارمغان رسید بمن
زیمن بختِ سعید و ز طالعِ بیدار

برین سعادتِ عظمیٰ چرا نہ فخر کنم
عنایتی است ز شاہنشہِ بلند تبار

ہُنر شناس، ہُنر شیوہ و ہُنر پرور
بلند بخت، بلند آشیان بلند افکار

ہمیشہ از کرمش خلق فیضیاب شود
کہ بحرِ جود و سخا ہست و ابر گوہر بار

ہمیشہ بودہ ارادت زمن باد بیحد
ہمیشہ بودہ بمن لطفِ اُو برون زشمار

ہم این عطیہ ز آقای حکمت است بمن
کہ حکمت از سرِ ہوشش گرفتہ است عیار

ہمیشہ بودہ ارادت زمن باد بیحد
ہمیشہ بودہ بمن لطفِ اُو برون زشمار

ہم این نتیجہ لُطفی است از سفیرِ کبیر
کہ نارسیدہ بدرگاہ، یافتم این بار

اگرچہ نیست مرا بہرہ ای ز فضل و ہُنر
اگرچہ نیست ز دانش مرا فضیلتِ کار

ہزار شکر کہ حرفم بود چہ آئینہ
ہزار شکر کہ قلبم بود خلوص شمار

ہزار شکر کہ فکرم اداشناس بود

ہزار شکر کہ دارم زبان سپاس گزار

بدین نظر کہ سخن اختصار خواہد

بدین خیال کہ در شعر کم بود بسیار

بنطق شکر ادا میکنم ز قلب دُعا

دو چیز را بہم آمیختم بیک گفتار

مدام تا کہ بود صبح را رُخ روشن

مدام تا کہ بود مہر مطلع انوار

مدام این دو خجستہ دیار باہم باد

چنانکہ ربط صدف ہست با شہوار

پنجابی کلام

سورۂ فاتحہ دا ترجمہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جس کم نوں اسیں ہتھ پاونے آں
پہلا تیرا نام دوہراونے آں
سبھ برکت تیرے نام دی اے
سبھ حرکت تیرے نام دی اے

توں مالک اُچیاں شاناں دا
توں رازق کُل جہاناں دا
توں لایق ساریاں صفتاں دا

تیرے کرم دا حدّ حساب نہیں
تیرے رحم دا کوئی جواب نہیں

اسیں تیری عبادت کرنے آں
کسے ہور دے وَل تکدے نہیں
تیرے اگے سیس نواونے آں

تیرے کرم دی بھکھیا منگنے آں
اسیں منگن توں نہیں سنگنے آں

جو راضی ہو کے دینا ایں
خوش ہو کے جھولی پاونے ایں
تُو دیندا کدی وی نہیں تھکدا
اسیں لیندے کدی وی نہیں تھکدے

تینوں آپنے ناں دا واسطہ ای
سانوں سِدھی راہ وکھا مولا!
نیکی دے رستے پا مولا!
راہ اوہناں سعادت منداں دی
سر جیہناں دے تیرا سایہ اے

جیہڑے ہر دم سہمے رہندے نیں
تیرے قہر دیاں غضب نگاہاں توں
جیہڑے چلدے ڈردے رہندے نیں
سبھ ونگیاں کوجھیاں راہواں توں

سورۂ قارعہ دا ترجمہ

ایہہ کھڑکھڑ ، ایہہ کھڑکھڑ
تُوں جاناں ایں کھڑکھڑ کیہ شے اے
کھڑکھڑ ہے نام قیامت
جہنوں سُنکے تے دھرتی کمبے

قیامت ناں اے گھڑی مصیبتاں دا
سُننے حال تے جِندڑی کمبدی اے
انج اُڈن گے پتھر پہاڑیاں دے
جھٹی جس طرح رُوں نوُں جھنبدی اے

نیکوکار بندے ، بھارے عمل والے
تولاں جیہناں دِیاں بھاریاں ہون گیاں
ثابت قدم ہوکے جمے رہن اوتھے
کم تول بندے ہولے ککھ وانگوں
وِچ ہاویے دے جا ڈھین اوتھے

پریشان حیران اِنسان ہوسن
مُونہہ تے مَل کے گَرد وِیرانیاں دی
جیویں رات دے انھ ہنیریاں وِچ
حالت ہووے بدبخت پروانیاں دی

ایہہ ہاویہ کیہ اے؟ جاندے او
نظر آوے تے دل گھبرا جاندا اے
ایسی بھڑکدی اگ ایس ہاویہ دی
شعلے ویکھ کے جیہنوں شرما جاندا اے

نعتاں

اِک کملی والا آیا سی
اِک کملی والا آیا سی
پیغام خدا دا لیایا سی اِک رحمت بن کے آیا سی
سِر اُتّے حق دا سایا سی
اِک کملی والا آیا سی

گمراہیاں چار چوپھیرے سن کُفراں دے گھُپ ہنیرے سن
ایمان نوں آن جگایا سی
اِک کملی والا آیا سی

ذرّیاں نوں آن چمکا دِتّا جگ تاریاں وانگ سجا دِتّا
ایس فرش نوں عرش بنایا سی
اِک کملی والا آیا سی

سِر جھک گئے راجاں والیاں دے تختاں تے تاجاں والیاں دے
اوہ فقر دا انگ وکھایا سی
اک کملی والا آیا سی

ساقی توں ہیں ازل دے میکدے دا
جاری ابد تیکر فیضِ عام تیرا
تیرے مست خمار توں جاندے نہیں
گردش وِچ رہندا سدا جام تیرا
دِل وِچ یاد گونجے دِن تے رات تیری
ذِکر رہندا صبح و شام تیرا
شام چین پاوے کرکے یاد تینوں
صبح جاگدی اے لے کے نام تیرا

سچے دین اسلام دی شان ہیں توں
اصل یقین، ایمان دی جان ہیں توں
کریں سجدہ تے فرش دے بھاگ جاگن
سر اٹھاویں تے عرش مقام تیرا
کِڈی شان اُچی تیری ذات دی اے
تیرے نال قدر کائنات دی اے

نوُر حق دا نوُر ظہُور تیـــرا
حرف حق دا عین کلام تیـــرا
تینوں اپنا حبیب بنا کے تے
حق نے آپ دسّی اُچیّ شان تیری
سایہ رکھیا آپنیاں رحمتـاں دا
لقب رکھیا خیـر الانام تیرا
بھانویں کنّا ای خطـا وار ہے اوہ
تیری نظـر کرم دے تکدا ہے
بھانویں کنّا گناہگار ہووے
ایہہ تبسّم ہے ادنیٰ غلام تیرا

نظماں

کسے دی یاد

کیا سوہنے شام سویرے سن، کنیاں سوہنیاں دن تے راتاں سن
نظراں نال نظراں ہسدیاں سن، اتے دل دیاں دل نال باتاں سن

سانوں گلاں کر دیاں تک تک کے، تاریاں دیاں نظراں بھوں گئیاں
ایہہ گلاں کدے نہیں مکنیاں سن، اسیں جاگدے رہے اوہ سوں گئیاں

اج مدت ہوئی موت ہتھوں، مری جان چپ ہو کے بہہ گئی توں
سبھ گلاں خواب خیال ہوئیاں، اک خاک دی ڈھیری رہ گئی توں

پر ویکھ اس ڈھیری وچوں بھی، اجے یاد تیری پئی تکدی اے
تینوں موت بے ہتھوں کھوہ لینا، ایس یاد نوں کھوہ نہیں سکدی اے

ڈاڈھے فاصلے

ایہہ وی ہوندا اے کئی وار
رہندا اکھیاں دا پیار
خالی نظر دا حضور
دِل رہن دُور دُور
لکھ کول کول رہو
ڈھک نال نال بہو
دوہاں دِلاں دی جُدائی
گھٹ سکدی نہیں رائی
ایہہ فاصلے نیں ڈاڈھے
ایہہ پینڈے نیں دُراڈے
پیئے قدم اُٹھاؤ
ٹُر ٹُر تھک جاؤ
لاؤ لکھ لکھ واہ
نہیں مُکدی ایہہ راہ

کھیت دی رانی

کھیتاں دے وچ کھیت دی رانی
ناز کریندی مست جوانی

کلّی ہتھ وِچ داتری لے کے
بیلیاں پاوے گانا گاوے
اِک پل ٹھہرے تے ٹر جاوے

ڈاڈھی بکّی اپنی ہٹ دی
کلّی کھیتاں نوں پئی کٹدی
اوہدے مِٹھڑے بول پیارے
وِچ ہواواں لین ہُلارے

اَج توڑی وِچ جنگل سب بیلے
دُور دُراڈِیاں تھانواں دے وِچ
سُنجیاں سُنجیاں راہواں دے وِچ
پیندا کردے تھکّے ٹُٹے

راہیاں نوں پرچان دی خاطر

پردیسی وحشی پنچھی نے
اپنے سُندر گیت نئیں گائے
ایہہ سندیسے نئیں سُنائے

باغ برسات بہاراں دے وِچ
رِمّیاں نرم پھوہاراں دے وِچ
آمباں دی ٹہنی تے بیٹھی
دُکھاں ماری کوئل کولوں
ایس جہاں دے وچ کسے دی
اینی سوہنی کُوک سُنی نئیں
درد غماں دی ہُوک سنی نئیں

رب جانے ایہہ کیہ گل کردی
شاید ایہدے بول سُہانے
کوئی دُکھڑے ہین پرانے
یاد آئیاں سو بیتیاں یاداں
جاگ پئیاں سُتّیاں فریاداں
یاں ایہہ گیت اَج کل دے گاوے
دُنیا دے دُکھ درد سناوے
دُکھ جیہڑے پل وِچ ٹُر جاون
ٹُر جاون تے پھر مُڑ آون

پرجو دی ایہہ کھیت دی رانی
بات کہوے یا کھوے کہانی
بین کرے یا گانا گاوے
ایہہ گل مکدی نظر نہ آوے

اوس نوں ڈِٹھیاں مدّت ہوئی
بھل گیا سبھ کجھ پر اج نوڑی
ایہہ آواز کنّاں وِچ رڑکے
جد بھی یاد پوے دِل دھڑکے

(ماخوذ)

نواں سال

ہر اک پاسے شور
نِویاں سدھراں، نِویاں آساں
پھیر مُڑ کیتا زور
نواں سال، نِویں زندگی دی
پیا وکھاوے ٹور
ہر اِک نِویاں سوچاں سوچے
میں سوچاں کُجھ ہور

جانے قُدرت کیوں کر دی
قِسمت والی وَنڈ
کدی جھولی وِچ پوے چھیدا
کدی جھولی وِچ کھنڈ

کدے سینے وچ بھانبھڑ بالے
کدے سینے وچ ٹھنڈ

مَیں تے ایہہ ای جاننا ایں صُوفی
نواں سال نویں کماں دی
نویں فرضاں دی
نویں بہاراں دی
لے آیا اِک پَنڈ

کِدھر جاواں

ٹُک ٹُک بھنّدیاں تھانواں
مُک مُک جاندیاں راہواں
کِدھر قدم اُٹھاواں
کِدھر جاواں

خوشی پرانا روگ اے
غم اوسے دا سوگ اے
کِس نال جی پرچاواں
کِدھر جاواں

دِنے سویرا تپدا اے
رات ہنیرا تپدا اے
لبھناں نیں ٹھنڈیاں چھاواں
کِدھر جاواں

لوکی شور مچاندے
سوچاں لُٹ کے جاندے
آ پھسیاں وِچ کانواں
کِدھر جاواں

سارے بِٹ بِٹ تکدے
اکھ ملاوندیاں جھکدے
کِدھر نظراں پاواں
کِدھر جاواں

———

نظم

گھر چوں بچّے
سیویاں لے کے
مسجد وَلّے چلّے
سوچنا ایں
ایہہ سیویاں پہلاں
مولوی دی بیوی چکھّے
یاں اوہ بڈھڑی
جس نے اَج دی
آس وچ سارے
سال دے روزے رکھّے

ہجر دی رات

آئی ہجر دی رات ہنیری
تیریاں یاداں دے گھوڑے سنگڑے
اکھراں بھری گھنبیری
کجھ نہ دِسّے، کجھ نہ لبھّے
پھیر دی نبجھاں لاواں
خالی ریجھاں لاہواں
کدی کدی کوئی ننھاں تارا
بجھدی ہوئی چنگاری وانگوں
ہلکی جیہی دُھکھ مارے
تے چھُپ جاوے
جیہویں کوئی خواب ڈراونا
ویکھ کے سہمیا ہویا بندہ

اکھ نہ کھولے
کھولے تے گھبرائے
گھبرائے ، شرمائے
مُڑ ڈر جائے
ہجر دی رات وی
ایس ہنیری منزل دے وچ
راہواں مُک مُک جان
اینہویں مُک مُک جان

جاگ پیا مزدور

محنت جاگی ، ہمت جاگی
مزدوراں دی قسمت جاگی
جاگ پیا مزدور
جندڑی دے چانن نوں بھلیاں
صدیاں وچ ہنیرے رلیاں
محنت دیاں اکھیاں کھلیاں
جاگ پیا مزدور
جانے کتنے فرہاداں نیں
کہساراں دے سینے چیرے
اک کر چھڈے خون پسینے

پتھراں دی رگ رگ دے وچوں
خالص دُودھ دی نہر وگائی
پھیر وی محنت کم نہ آئی
تیشے مار کے جان مکائی
جانے کِنّے بخت نمانڑے
اپنّویں محنت ہتھوں مُکّے
کِنّے پسینے آئے ، ستنے سُکّے
محنت دے پر دام نہ چُکّے
محنت کش مزدور بچارا
حق منگن توں وی شرمایا
پر کسے نے ترس نہ کھایا
اِبس گل دا وی مُل نہ پایا
محنت کش مزدُور
کِنّا سی مجبور

اِکو جیہی جان ہے سبھ دی
آپنی آپنی شان ہے سبھ دی
جینے دا ارمان ہے سبھ نوں
خوشیاں دی پہچان ہے سبھ نوں

اِنساناں دیاں لوڑاں اِکّو
گھاٹے وادھے، لوڑاں اِکّو
اِکّو جیہے نے سبھ اِنسان
ایہو اللہ دا فرمان
ایہو قدرت دا منشور
کیوں نہ جاگ پوے مزدُور
آپنا حق لوے مزدُور
آخر ایس دی قسمت جاگی
محنت جاگی، ہِمّت جاگی
جاگ پیا مزدُور

کیہ ہویا جے منزل آ گئی

کیہ ہویا جے منزل آ گئی
تُسی کیوں آن کھلو گئے
راہیاں دی تے ریت لے ایہو
راہواں توں کیہ ڈرنا
ایہہ اوہناں دے غم تے خوشیاں
ایہو جیونا مرنا
منزل آوے یا نہ آوے
ہر دم پینڈے کرنا
تُسی کیوں آن کھلو گئے

کالے گھُپ ہنیریاں دے وچ
اَگ تے خون تے طوفان دے
گھُمّن گھیر چوپھیرے وِچ
غوطے کھادے تے لنگھ آئے
ہُن کیوں آن کھلو گئے

ہِمّت والے رُک نہیں سکدے
اَگے قدم وَدھاؤ
ایس کھلوتی ہوئی منزل نوُں
آپنے نال چلاؤ
منزل نال ٹُردی نہ سہی
تُسیں تے مُڑدے جاؤ
تُسیں کیوں آن کھلو گئے

بُلّھے شاہ دے ناں

اوہ کیہ حق پہچانے جس نُوں آپنی نہیں پہچان
جسم تے جان دی سانجھ کیہ جانے، نہ اوہ جسم نہ جان
جس نُوں آپنی قدر نہیں اے، اوہ کاہدا اِنسان
اوہ کِس گل دا مان کرے جیہنوں آپنا وی نہیں مان

جِنّدڑی دے انداز انوکھے، کیہ کیہ رُوپ وٹاوے
کوڑے زمانے دی اِک ٹھوکر، کھان دی تاب نہ لیاوے
کورے وقت نُوں جپھا پاکے، آپنا زور وکھاوے
دِل جِگر دا خُون وگاوے، آپ اَمر ہو جاوے

کئی زمانے گزر گئے تے کئی زمانے آئے
آفتاں اوکھتاں ایس دھرتی تے کِنّے پھیرے پائے
صدیاں دے طوفاناں ایتھے لکھ ہنیر مچائے
بڑے بڑے تاریخی امبر خاک دے وچ سمائے

ہَستے پیا بُلّھے دا رَوضہ، وَسّے شہر قصور
دیس پنجاب دے سینے اندر چمک رہیا اک طور
ساریاں سوچاں سمجھاں کھوہ کے ہن کیہ کیہ نکارے لبھدے
ٹُٹّی ہوئی بیڑی لے کے ڈُبّے ہوئے کنارے لبھدے

اِنسان

ہے سارے جہان تے نظر تیری کدی تکیا ای ایس اِنسان وَلّے
کل جنّت چوں ایس نوں کڈھیا سائی، اج اُڈدا اے پھِر اسمان وَلّے
پلّے بنھ یقین دے دھوکھیاں نوں، پیا ٹھُدا پھرے گمان وَلّے
اینّویں ٹولدا پھرے حقیقتاں نوں، نہ کُفر وَلّے، نہ ایمان وَلّے

پیراں ہیٹھ دی مٹّی نوں خبر ناہیں، اُتوں گِندا پھرے ستاریاں نوں
دُکھ درد دے دارُو دی لوڑ کوئی نہ، اینّویں چھیڑدا اے ایہناں بے چاریاں نوں
رہ سکے نہ بُتاں سہاریاں دے، اُتوں تنگ کرے بے سہاریاں نوں
قدم ساحل توں اگے نہیں پٹیا سُو، کھڑا ڈھونڈھدا پھرے کناریاں نوں

سِر تے بار امانت دے چکنے دا، وعدا کر بیٹھا تے ہُن چُکدا نئیں
داغ بندگی دا متھے لگ گیا ہُن پیا رُکاوندا اے رُکدا نئیں
سجدہ کیتا سی کدی فرشتیاں نے ہُن کوئی ایہدے اگے جھکدا نئیں
اِک جُرم کر کے کلّا ہو گیا سی، اجے تیک دامن ایہدا سُکدا نئیں

قائدِ اعظمؒ

دشمن تیرے چار چوپھیرے
کلّی تیری جان
باطل دے لکھ گھُمّن گھیرے
حق دا اِک ایمان حق دا اِک ایمان

آپنے سچے قول تے اُڑ کے
اگ دے طوفان وِچ لڑ کے
توُں ایہہ پاکستان بنایا
اس دی شان تے مان دی خاطر
آپنے دین ایمان دی خاطر
جان کیتی قربان

جیہڑے موت کولوں نہیں ڈردے
اوہ اِنسان کدی نہیں مَردے
توُ ہیں زندہ قائدِ اعظمؒ
زندہ اے پاکستان

اُچیاں اُچیاں نظراں والیا
ایدھر اکھاں موڑ
اَج پھیر تیرے شدائیاں نوں
تیری پئے گئی لوڑ

اوہو ایمان تے اوہو جذبہ
اوہو دل تے اوہو سدھراں
اوہو پیاریاں پیاریاں مدراں
کسے نہ شئے دی لوڑ

خبر دی کدھرے اوکھے ویلے
ایدھر جان جے ایہہ بچارے
تیری یاد دے لین سہارے
آپنی ایسے یاد دے صدقے
پیار دا رشتہ جوڑ
توں ہی ایہناں نوں راہے پایا
توں ہی پہنچا دے توڑ

گیت

نِمّھاں نِمّھاں دِیوا بلے
دُور دُور کنڈھیاں اُتّے
بیڑی پئی ڈولدی اے
بچنے دی راہ کوئی نہ
گھُمّن گھیر چار چوپھیر
واء پئی نیز پچلّے
نِمّھاں نِمّھاں دِیوا بلے

اینوں پئیاں لبھدیاں نیں
اکھیاں دا واہ کوئی نہ
مُڑ کے آون نہ پھیر
جیہناں پردیس مَلّے
نِمّھاں نِمّھاں دِیوا بلے

پپلاں نے پینگاں پئیاں
پپلاں تے پینگاں پئیاں
سبھ رل مل گاون سیّاں
پپلاں تے پینگاں پئیاں
گھر گھر کے بدلیاں آئیاں
ساون نے جھڑیاں لائیاں
ہس ہس کے گاون سیّاں
پپلاں تے پینگاں پئیاں
اُچّی ٹہنی تے کوئل بولے
من ترسے جیوڑا ڈولے
اکھیں نیر بہاون پئیاں
پپلاں تے پینگاں پئیاں

ڈھولا ہَسدا اوہلے اوہلے
کدی بھیت نہ دِل دا کھولے
میں ہر دَم پُچھدی رہیاں
پپلاں تے پینگاں پئیاں

آئے لوکاں ہتھ بہانے
پئے دیون میہنے طعنے
مَیں ساںول ویکھ ہس پئیاں
پپلاں تے پینگاں پئیاں

لگّے آون جاون راہی
تُو وی آجا ڈھولن ماہی
تینوں سبھ اُڈیکن پئیاں
پپلاں تے پینگاں پئیاں

پئی تکنی آں سُنجیاں راہواں نوں

تیرے باجھوں رین پہاڑ دِسّے گھر وَسدا پیا اُجاڑ دِسّے
کوئی آوندا جاوندا دِسدا نہ پئی تکنی آں سُنجیاں راہواں نوں

تتڑی دا اُٹھنا بہنا کیہ ایہہ کپڑے زیور گہنا کیہ
جد نظریں سُنجی سیج پوے مرے لگدے تیر نگاہواں نوں

کدی دِل دا بھید نہ کھولاں میں کسے نال نہ دُکھڑے پھولاں میں
اکھیاں وِچ اتھرو توڑ لواں سینے وچ روکاں ہاواں نوں

کیوں دل دا جانی دُور ہویا میتھوں کوئی قصور ضرور ہویا
اینویں من وِچ میں سَن لینی آں ان کیتے جرم گناہاں نوں
پئی تکنی آں سُنجیاں راہواں نوں

✵

اکھیاں نوں کیہ ہویا
ایہہ لیندیاں ناہیں چین
آپے ویکھن پیت لگاون
آپے تڑپن تے دکھ پاون
آپے رو رو بہن
اکھیاں نوں کیہ ہویا

من نے ماہی دا سفنا ڈٹھا
سوہنا سوہنا مٹھا مٹھا
اکھیاں روندیاں رہن
اکھیاں نوں کیہ ہویا

میں ڈردی کدی آہ نہ کردی
جو کجھ گزرے جی تے جردی
اکھیاں کردیاں وین
اکھیاں نوں کیہ ہویا

یاد ماہی دی لشکاں مارے
جیویں بجلی دے لشکارے
اکھیاں ڈر ڈر بہن
اکھیاں نوں کیہ ہویا

❋

جد مست ہوا شاخاں نوں ویندی اے ہلارے
ساون دی بہارے
جد باغ دے صحناں اُتے جنّت دے نظارے
کردے نیں اشارے
ہر گھڑی تے پل ، رات دِنے ، شام سویرے
میں تینوں اُڈیکاں

جد کھیتاں تے پنچھی پئے لیندے نیں اُڈاراں
وِچ رِمھیاں پھوہاراں
جد قمریاں کوکن تے اگن مور ہزاراں
کردے نیں پکاراں
ہر گھڑی تے پل ، رات دِنے ، شام سویرے
میں تینوں اُڈیکاں

جد ہجر دے کُٹھّے ہوئے پپئے نیر وگاون
پل چین نہ پاون
جد یار پپئے یاراں نوں دُکھ درد سُناون
روون تے رُلاون
ہر گھڑی تے پل ، رات دِنے ، شام سویرے
میں تینوں اُڈیکاں

ایہہ دُکھڑے ہین پُرانے
سجنا کیہ پُچھنا ایں
دُنیا والے سبھ کُجھ جانن
ہراِک گل دی رمز پچھانن
کوئی دل دا بھیت نہ جانے
سجنا کیہ پُچھنا ایں
سمجھاں والے سمجھ گوانّدے
عقلاں والے بُھل بُھل جانّدے
ایتھے کملے ہون سیانے
سجنا کیہ پُچھنا ایں
لکھ دُکھ جھلّے، لکھ واہ لائے
عُمراں بیتیاں پھیر نہ آئے
اوہ گُزرے ہوئے زمانے
سجنا کیہ پُچھنا ایں

سوہنا پیا بولدا اے
بولدا اے تے بُھلّے ہوئے دُکھ پیا پھولدا اے
وِچھڑیاں ، گواچیاں ، بُجھیاں نوُں ٹولدا اے
دِل پیا ڈولدا اے

سوہنا پیا ہسدا اے
مَن دِیاں بیتیاں نوُں اکھّاں نال دَسدا اے
گُجھیاں گُجھیاں نوکاں نال سینے نوُں ٹٹولدا اے
دِل پیا ڈولدا اے

سوہنا پیا رووندا اے
اَزل دِیاں لِکھیاں ہوئیاں قسمتاں نوُں ڈھونڈدا اے
جِندڑی دے رس وِچ زہر پیا گھولدا اے
دِل پیا ڈولدا اے

مینوں ایہہ کیہہ پیٹے گیا پھاہ

میں ٹُر ٹُر پھاوی ہوئی آں ‏ ‏ مَیں تھک تھک ہوئی آں چُور
میں جُوں جُوں قدم اُٹھاوندی ‏ ‏ مینوں پینڈے وِسدے دُور
بیٹھوں ٹُک ٹُک بھندیاں منزلاں ‏ ‏ بیٹھوں گُھنج گُھنج جاندی راہ
مینوں ایہہ کیہہ پیٹے گیا پھاہ

مینوں جُوں جُوں ملن تسلیاں ‏ ‏ میرے سینے وجدے تیر
مَیں ہس ہس کے غم ٹالدی ‏ ‏ میرے ڈُلھ ڈُلھ جاندے نیر
میرے مُک مُک جاندے حوصلے ‏ ‏ میرے سُک سُک جاندے ساہ
مینوں ایہہ کیہہ پیٹے گیا پھاہ

———

دوھڑے

O

لوکی آکھن دو جنے نیں، تیرے سجے کھبے
مَیں ہتھ دووِیں پاسے ماراں، مینوں کوئی نہ لبھے

اِک دُنیا کہے ایہہ دیوانہ، اِک کہے ایہہ جھلّا
روگ دودھاون والے لکھاں، روگی کلّمکلّا

آپے قول قرار کرو تے آپے آساں لاؤ
نہ کوئی آوندا اے نہ کوئی جاندا، آپے توڑ نبھاؤ

ہجر دی نیندی نِکھر دوپہر دا سیک نہ جھلیا جاوے
میرا سایہ وی میرے ہیٹھاں آپنا آپ لُکاوے

اِک دُکھ مگروں لاہون دی خاطر ہور کئی دُکھ جھاے
پَیراں دے کنڈے کڈھدے کڈھدے ہتھیں پئے گئے چھالے

یارو! تہانوں آکھ رہیا ساں، اینویں کھوج نہ لاؤ
ہُن تے قِصّہ چھیڑ دِتّا جے، ہُن تے سُن کے جاؤ

آؤ میرے غمخوارو آؤ، کجھ تے بھار ونڈاؤ
کجھ پاؤ سر آپنے مٹی کجھ مرے سر پاؤ

مرے سوہنے پیارے ہنجھوو، اینویں نہ ڈُلھدے جاؤ
جے نہانوں کوئی نہیں جھولی پاوندا، موتی ای بن جاؤ

اکھاں نال سُناں سبھ گلاں کن نال لاواں رِیجھاں
پلے کجھ پورے نہ پورے، من دیاں لاہواں رِیجھاں

جھوٹھیاں آساں پلے بنھ کے، موتی لبھن چلے
آپ کنارے تے آ کے ڈِگے، بیڑی بہہ گئی تھلے

جدتوں یار نوں وِدیا کیتا، مینوں رکتے نہ مِلدی ڈھوئی
لوکی باہر پردیسی ہوون، میں گھر پردیسن ہوئی

کرم تے پاپ دا ڈاڈھا گھپلا، مینوں کجھ وی سمجھ نہ آئے
جیہڑے ہتھ یتیماں نوں پالن، اوہناں ہتھاں پیو مروائے

ایہو اکھیاں اوگن بھریاں ، وِچ کسے دا دوش نہ کائی
آپے چُپ چُپ نیوں لگاون، اتے آپے دین دُہائی

اینویں پھُلاں سینے چاک کیتے ، اینویں شبنم نیر وگائے
ایتھے خوشیاں دا کوئی ساجھی ناہیں ایتھے دُکھڑے کون ونڈائے

دُکھ نوں سُکھ دا رُوپ دِتّا، اُتے ہس ہس نیر چھُپائے
اِک اِک راز ماہی دی خاطر ، اساں سو سو جتن کمائے

آئیاں ساون کالیاں بدلیاں ، رِم رِم رِم رِم لائی
پنچھی اُڈ درختیں بہندے اتے عاشق دین دُہائی

رات غماں دی ڈاڈھی بھاری، کیویں رو رو کوئی گذارے
تارے تڑپدے تڑپدے ڈُب گئے ایہ ہنجھو کون بچارے

آہاں تے فریاداں کیتیاں ، اسنے کیتے جتن بہتیرے
جُوں جُوں بھانبڑ بلدے جاندے وَدھ وَدھ جان ہنیرے

رکیہ پچھنا ایں کیہ ہو یا اے سجنا ، ایہہ کیوں پئے وچھوڑے
انت نہ مکدی تڑپ دِلاں دی اتے جیون دے دِن تھوڑے

—

وِچ ہواواں لئی اُڈاری لتے بھیت اَسمان دے کھولے
پر اِک واری اَکھ نہ کھولی ، کدی بیٹھ دِلاں دے اوہلے

—

حال دِلاں دا دَس نہیں سکدے ، ایہہ اتھرو ایہہ آہیں
رکیہ کہنا کیہ سُننا ، ایہہ گل کہن سُنن دی ناہیں

—

نہ اوہ پاک نگاہواں باقی نہ اوہ پاک ضمیری
جگ وِچ خالی صُوفی رہ گئے رخصت ہوئی فقیری
اللہ کولوں منگ اوبندیا قلب نظر دی بھکھیا
دُنیا دے وِچ مِل نہیں سکدی باجھوں فقر امیری

—

وقت دی گردش دا کیہ پچھنا ایں ، مکدے نہیں زمانے
اِک حقیقت ذات ہے تیری ، باقی سبھ افسانے
کل جو لنگھیا ، کل جو آونا ایں ، دوویں فقط بہانے
اصلی جیونا اوسدا جیہڑا ، اَج دی قدر پچھانے

—

عشق عقاب، شہباز، شاہین نوں خاطر وِچ نہ لیاوے
جے چاہوے تے چِک چکوراں بازاں نال لڑاوے
دِل بے چارا مُک مُک جاوے، آپنا آپ بچاوے
عشق ایس دِل دیاں کھُوسنجاں وِچوں اُٹھ اُٹھ جھاتیاں پاوے

ایڈا گرم بازار سی زندگی دا، ایتھے جو آئے مِری جان وِک گئے
وِک گئے ایتھے جوبن یُوسفاں دے، ایتھے بڑے فرعوناں دے مان وِک گئے
ایتھے نازوِکے مُل عاجزی دے، ایتھے کُفر دے بھا ایمان وِک گئے
اپنا زور پیا آن گاہکاں دا، مالک آپ وی سنے دکان وِک گئے

○

نہ شبنم پھُل نوں پچھدی سی، نہ پھُل شبنم نوں دَسدا سی
جو روندا سی سو روندا سی، جو ہسدا سی سو ہسدا سی

جے اج برباد ساڈی زندگی ہوئی تے کیہ ہویا
کدی آباد سی دُنیا، کدی ایہہ دِل وی وَسدا سی

محبت والیاں دی زندگی دا راز کیہ پچھنا ایں
نہ کوئی حال پچھدا سی، نہ کوئی حال دَسدا سی

خدا جانے محبت دی کہانی کیہ کہانی سی
کوئی سُن سُن کے روندا سی، کوئی سُن سُن کے ہسدا سی

○

ہسدا سی جے جگ پیا نے کیہہ سی
پر تیرے لباں تے وی ہنسی سی

اِک گل نینوں کہنی چاہونا ساں
ہُن یاد نہیں آوندا کہ کیہہ سی

اِک عمر فراق وِچ گزاری
دو چار گھڑی دی زندگی سی

پہنچے ساں اسیں تیرے دوارے
اَن ہونی جیہی بات ہو گئی سی

دِل کرلاوندے پئے سن
دُنیا پئی ہسدی کھیلدی سی

اوس نوں وی سُنا نہیں ساں سکدا
ایہہ بات ای صُوفی کجھ اجیہی سی

○

پُھلاں دیاں خوشیاں مات پئیاں ، اوہ طور نہ رہے گُلزاراں دے
جد نظراں پھریاں یار دِیاں ، رنگ اُڈ پُڈ گئے بہاراں دے

اسی آپنی دُنیا وَسدے ساں، خود رونے ساں، خود ہسدے ساں
کیہا دِل نوں روگ لگایا لے ، مونہہ تکنے پئے غمخواراں دے

ایہہ عشق دا روگ اولڑا اے، ایس روگ دے چارے کیہ کرنے
ایہہ زخم کدی وی نہیں بھرنے ، ایہہ زخم نہیں تلواراں دے

اسی دِل دے دُکھڑے کہنے آں، تُسی سُن کے چُپ ہو بہندے او
انجویں رُوٹھڑے رُوٹھڑے رہندے او، ایہہ کم نہیں دِلداراں دے

ایہہ کم نہیں تقصیراں دا ، ایہہ لکھیا اے تقدیراں دا
ایتھے دوش نہیں تدبیراں دا ، ایہہ دُکھ نیں عشق بیماراں دے

کیہ حالت پُچھنا ایں صوفیؔ دی، اوس نری محبت دے پِچھے
سو گلاں سُنیاں غیراں دِیاں ، سو ناز اُٹھائے یاراں دے

○

ڈونگھیاں جھاتاں پیئے نہ سکن، نیڑے نظراں پا لیئے
دِل نال دِل جے مِل نہ سکے، اِکو اَکھ نال اَکھ مِلا لیئے

قسمت دے ورقاں تے جانے کیہ کجھ لکھدے جاندے نیں
ہتھ پوے تے اسیں وی آپنے دو چار اکھر واہ لیئے

آ اِک واری پھیر جگا ئیے پیار دیاں سُتیاں یاداں نُوں
سُکے ہوئے ٹہناں اُتے سجرے پُھل سجا لیئے

حُسن دا آپنا رُوپ نہیں کوئی سِدھا سادا پتّھر اے
ایس پتّھر دے وچوں جو بھی چاہیے بُت بنا لیئے

○

منتاں کر دیاں تر سے لیندیاں، ہوکے بھر دیاں اکھاں
تیری دید دی خاطر سجنا ! کیہ کجھ کر دیاں اکھاں

کدی دِلاں دے راز چھپاون، پلکاں توں وی اوہلے
کدی محبت دے وِچ آ کے، گلاں کر دیاں اکھاں

راہ دِلاں دے دُور دراڈے، نظراں توں نہیں مُکدے
دِل دِلاں وِچ آپے جھکدے، اینویں ڈر دیاں اکھاں

اوہ متوالیاں مست نگاہواں، فیر نظر نہیں آئیاں
اساں تبسم تک چھڈیاں نیں، دُنیا بھر دیاں اکھاں

O

مَن دے اندر ڈھک کے رکھیے پیار نظر دیاں گلاں
ہر اِک نال نہیں کر دے پھر دے لوکی گھر دیاں گلاں

انھرو اکھاں دے وچ نوڑے ، سینے وِچ فریاداں
نظراں نوں کوئی کیویں روکے ، نظراں کر دیاں گلاں

ظاہر چُپ چپیتے رہندے ، لب نہ مُول ہلاندے
اکھاں دے نال کر چھڈیاں نیں ، دُنیا بھر دیاں گلاں

وِچ ہوا آدھ کھلیاں کلیاں ، جیویں لین ہلارے
سہمیاں سہمیاں بُلھیاں اُتے ڈر دیاں ڈر دیاں گلاں

اوہ نظراں کیہ جانن صوفی ، راز اساڈے دِل دا
جیہڑیاں نظراں سمجھ نہ سکیاں ، ظاہر نظر دیاں گلاں

○

جندڑی دی کیہ قدر پچھانن ایہہ انسان نکارے
کجھ تے ہین ککھوں وی ہولے کجھ پتھراں توں بھارے

سکّے ہوئے پتراں وانگوں ایہناں دا اکڑا
اینویں جھوٹھیاں چمکاں مارن بجھے ہوئے انگارے

ایس دھرتی دے ذرّے اُڈ اُڈ چمکن وِچ فضاواں
ایس دھرتی دا باسی اینویں بیٹھا ٹکراں مارے

بِتّر بِتّر تکدا پھرے تے نظریں کجھ نہ آوے
اکھاں بند تے دیس بدیس دے کردا پھرے نظارے

منزل داناں بھلیا ہویا یاد نہ اُس نوں آوے
گھمّن گھیراں دے وِچ تردا، لبھدا پھرے کنارے

ایہہ انسان خطا دا پُتلا، لقب ظلوم جہول
ایس دا ہُنر کس گنتی دے وِچ ، ایس دا فن کس کارے

چنّد دیاں خبراں لے کے آوے آپنی خبر نہ کوئی
جھولی کنڈیاں توں وی خالی چُندا پھرے ستارے

جندڑی دی منزل کڑی تبسّم، دُور دُراڈا پینڈا
شعر کہندے کٹ لیندے ایہہ شاعر بے چارے

O

جیہنوں آپنی پہچان نہیں اے
اوہ اِنسان ، انسان نہیں اے

میرے دِل دا حال نہ جانے
اپنا اوہ انجان نہیں اے

تیرے نال پیار کیتا اے
ہُن کوئی ارمان نہیں اے

قدم قدم تے مرنا پیندا
جیونا کوئی آسان نہیں اے

تُوں کیہ میرے غم نوں جانے
تیرے وِچ تے جان نہیں اے

آ جا میرے دِل وِچ آ جا
ایتھے کوئی دربان نہیں اے

مُلّاں دا ایمان اے جو وی
اوہ میرا ایمان نہیں اے

اوتھے کئی مجنوں وسدے نیں
صحرا تے ویران نہیں اے

سبھ نوں اوس حیران کیتا اے
پھیر بھی اوہ حیران نہیں اے

میں کیہ جاناں کیہ اے فرشتہ
میرا جان پہچان نہیں اے

تیرا ہراک شعر تبسّم
اللہ دا فرمان نہیں اے

○

بے درداں دے دِل دے اُتے آہ دی کیہ تاثیر
اِک ہوا دا بُلّا رکھّے پانی وِچ لکیر

اِک پل بیٹھے ہاواں بھرے اِک پل وگدے نیر
عشق نمانڑا روگ اولڑا ساڈی کیہ تقصیر

پل پل اندر حُسن وکھاوے وکھرا وکھرا رنگ
نظر نظر وِچ کھچدی جاوے نویں نویں تصویر

نیویاں نظراں والے پاوندے دُور دُراڈے جھات
ہتھ جنہاں دے نرم کماناں، سخت چلاوندے تیر

ہجر وچھوڑیاں توں وی ڈاڈھا، وصلاں دا جنجال
خوابوں نوں وی وَدھ گھنیری خوابوں دی تعبیر

○

اینویں نہ یارو گھبراؤ
جو کجھ ہوندا اے ویکھدے جاؤ

ککھ وی ہُن سوغات چمن دی
لبھ جاون تے جھولی پاؤ

ہنجھو وگدے ای رہندے نیں
تُسی نہ ویکھ کے دل تے لاؤ

جندڑی دا تے پینڈا لے لمّا
چار قدم تے ساتھ نبھاؤ

غیراں دے اگےّ کیہ جھکنا
آپنے اگےّ سیس نواؤ

ساری دُنیا تک چھڈی جے
ساڈے نال وی اکھ ملاؤ

رات ہنیری، سُنجی سُنجی
دے دِل داغاں نال سجاؤ

کوئی بھی ویلا کھُنجھ نہ جاوے
صبح نہیں تے شام مناؤ

دل روئے تے وانگ تبسم
ہسدے جاؤ تے ہسدے جاؤ

—

○

پھیر دِن ڈُبیا، پھیر ہر پاسے شام نے لائے ڈیرے
کِسے دے گھر وِچ تارے چمکے، کِسے دے گھار ہنیرے

کوئی نہیں آوندا بھانویں بولن لکھاں کاگ بنیرے
ایہہ نصیب دِیاں سبھ گلاں، وس نہیں تیرے میرے

پانی دی اِک بُوند نہ دِسے، پِنڈیاں پھرن گھٹاواں
بجلی دا لشکارا کوئی نہ، کڑکاں چار چوپھیرے

O

آ جا پیاریا آ میرے کول بہہ جا
اَج جی بھر کے گلّاں کر لیئے

ایس جندڑی دے کُجھ کنڈیاں نوں
جو کجھ لبھ سکّے جھول بھر لیئے

عُمر چکراں دے وِچ بیت چلّی
آ جا اَج تے رج کے بہہ لیئے

گلّاں کیتیاں نیں جیہڑیاں سو واری
اوہو اِک واری ہور کہہ لیئے

دُکھ ہجر تے وصل دے لکھ سہے
جیہڑے نہیں سہے اوہ وی سہہ لیئے

کدی رو کے قہقہے مار دیئے
کدی ہسیے تے ہاواں بھر لیئے

واج نکلے نہ کسے ہور پاسے
گلاں کسے نوں دی کرن دیوئیے نہ

پا کے بیڑیاں وقت کھلھار لیئے
وَدھن دیوئیے نہ مُڑن دیوئیے نہ

تنگ ہو کے رات جے جان لگّے
ہور اِک رات اوہدے اگّے دھر لیئے

آجا پیاریا آ مرے کول بہہ جا
اج جی بھرکے گلّاں کر لیئے

ایس جِندڑی دے سکھ کنڈیاں توں
جو کُجھ لبھ سکّے جھولی بھر لیئے

ساڈے عشق دے چمکدے لیکھاں تے، ڈاڈھے غماں دِیاں سیاہیاں ڈھل گئیاں
جیہڑیاں حُسن تیرے چمکائیاں سن، اوہ چانݨیاں راتاں رُل گئیاں

ایس عشق نمانڑے دے دھاگے دِیاں کجھ اَبڈ اوَلڑیاں گُنجھلاں سن
کجھ کھولدے کھولدے ہور پئیاں، کجھ پیندیاں پیندیاں کھُل گئیاں

گلّاں مِٹھیاں پیار دِیاں، جیہڑیاں دوہاں نے بیٹھ کے کیتیاں سن
جیہڑیاں نال اساڈڑے بیتیاں سن، سانوں یاد رہیاں تہانوں بھُل گئیاں

کجھ ایسیاں وی کرماں والیاں سن، بھُل بھُل کے تیرے در جا لگیاں
کجھ ایسیاں بخت نمانڑیاں سن، راہ چلدے چلدے بھُل گئیاں

سانوں تیری محبت دِیاں یاداں نوں، ایس جگ دِیاں دُکھڑیاں کھوہ لینا
ایہہ یاداں کیڑیاں نعمتاں سن، کیہڑے مُل آئیاں کیہڑے مُل گئیاں

کیہ دُکھڑے پھولنا ایں سجناں اوئے قدم رکھ کے عشق میدان دے وِچ
توں اِک جوانی نوں روونا ایں، ایتھے کئی جوانیاں رُل گئیاں

ترجمے

مختلف شاعراں دے کلام دا منظوم ترجمہ

ہے شام بڑی اُداسس، آجا پیارے
دِل لائی اے تیری آسس، آجا پیارے
ہر شئے پئی جاپدی اے نَسدی جاندی
آ بیٹھ جا میرے پاسس، آجا پیارے

میخانے محبّت وچ آ پیارے ایڈا دُوسرا ہور مقام کوئی نہ
ایتھے جھگڑا دیر تے حرم دا نہیں، ایتھے شیخ، برہمن دا نام کوئی نہ
ایتھے نظراں نال سبھ مست ہوندے، ایتھے مینا، سبو تے جام کوئی نہ
ایتھے بیٹھ کے عشق دا غم کھائیے، جیہدے وِچ حلال حرام کوئی نہ

اج وقت دی شان کجھ ہور ہو گئی، یا ایہہ وصل دی رات انوکھڑی اے
ڈاڈھا نورِ ظہور اے جلویاں دا، ڈاڈھی یار دی گھات انوکھڑی اے
ہر اَدا دے وِچ نیں نویں فتنے، ہر اک رَمز دی بات انوکھڑی اے
اج حُسن دا رنگ ای بدلیا اے، یا ایہہ عشق دی جھات انوکھڑی اے

کل اِک بُلبل باغ دے اندر مالی نوں سمجھاوے
ایس مٹی وِچ غم ای پھلدا کسے ہور نوں راس نہ آوے
جنگل وِچ جو کنڈا اُگے پہنچے توڑ بڑھاپے
پھُل جد آوے جوبن اُتے چھان چک مرجاوے

(اقبال)

پتنگا

بھڑکی شوق والی اگ ڈاڈھا رنگ لا گئی
اِک ننھے جیہے ذرّے وِچ جان پا گئی
اوہدے دل نوں جگایا
اوہ پتنگا بن آیا
سارا جگ چمکایا
اِک ٹُٹی ہوئی شعاع دل پیچ کھا گئی
ایس دل وچّوں زندگی دا بھیت پا گئی
اِک حقیر جیہی لکیر
بن گئی اکسِیر
مارے نیناں والے تیر
اِک پتنگا اُڈدا اُڈدا شمع نال چھُو گیا
ایسا آپ نوں جلایا سوہو رُوپ ہو گیا
گئی خودی والی بُو
کوئی نہیں رہیا نہ تُو
کرے ہُو ہُو ہُو

یا کوئی چھوٹا جیہا تارا اسمانوں آ گیا
چنّد پچھے پچھے لگّا ایہدا کھوج پا گیا
جُوں جُوں قدم اُٹھایا
ایہدا من للچایا
دُنیا ویکھنے نوں آیا

یا ایہہ نِمّھاں نِمّھاں چنّد جیہدا توڑ کوئی نہ
نُور سُورج کولوں منگنے دی لوڑ کوئی نہ
کدی گھٹے نہ گھٹاوے
اِکّو چھب دکھلاوے
جِدھر چاہوے گھُم آوے

ایس نِکّے جیہے کیڑے دی اُڈان ویکھ لو
ایس اُڈان وِچ نویں ایہدی شان ویکھ لو
کدی نیڑے کدی دُور
ایہہ پردہ ایہہ ظہور
نِرا غیب تے حضور

کالیاں راتاں نوں مشالاں بال بال نسّا ایں
رستہ بھُلّے ہوئے پنچھیاں نوں راہ دسّا ایں

کیہڑی اگ بھڑکایا
بھانبڑ سینے وچ لایا
پل چین نہیں او پایا

تیرے وانگ ایسے مٹی ساڈا روپ ڈھالیا اے
ایسے خاک وچوں جمے ایسے خاک پالیا اے

کیہ میل کیہ جدائی
دتی دوہاں دی دہائی
ڈھوئی پھیروی نہیں پائی

اک گل نینوں آکھاں نری تجربے دی دھار
گل سچی تے نرول گل ڈونگھی نہہ دار

جیہڑی بھل جائیں راہ
اوہدا کھائیں نہ وساہ
لائی جائیں ایہو واہ

(اقبال)

مومن

اوہدے ہتھ وِچ خُدائی دِیاں طاقتاں تے زور
اوہدے زور وِچ مُشکلاں تے قسمتاں دی جان
خاکی پُتلا تے نُوریاں حضوریاں دا رُوپ
بندہ ہوکے وی ساری اوہدی مولا والی شان
اوہدی نظراں وِچ کھُبتے نہ اسمان نہ زمین
اوہنوں کوئی وی نہ بچے، ایہہ جہان اوہ جہان
اوہدے نرم نرم بولاں وچ سونیاں دی چھب
اوہدے تیز قدماں وِچ غازیاں دا مان
ہووے صُلح بھاویں جنگ اوہدا اِکّو جیہا رنگ
اوہنوں آپنا یقین اوہنوں آپنا ایمان
اوہدے قول وی نردل اوہدے فعل وی نردل
اوہدے مِٹھے مِٹھے بول اوہدی مِٹھڑی زبان
سبھ حقیقتاں دی جان ایس بندے دا یقین
باقی دُنیا تمام، خالی وہم تے گمان

(اقبال)

وَنڈ

ایس لوہے دے کرخانے دے شنو شرابے میرے
ایہہ گرجا تے ایس گرجے دا بھجن سہانا تیرا
ایہہ کھیتی جس کھیتی اُتے مالیہ لگے میری
جنّت دے باغیچے تیرے، سدرہ طوبیٰ تیرا
ایہہ شراب ایہہ کوڑا پانی، ایہہ ہر دردی میری
کوثر والی پاک شراب دا سارا نشہ تیرا
ایہہ مُرغابی، ایہہ بٹیرے، ایہہ کبوتر میرے
عنقا دے شہپر نے تیرے، سایہ ہُما دا تیرا
ایہہ زمین نے ایس وِچ جو شئے ہے اوہ میری
خاک توں لے کے عرش معلّیٰ تیکر سارا تیرا

(اقبال)

جنّت دی دُنیا

ایہہ جنّت اے ، ایتھے کوئی دِل فریب جہان دا نہیں
ایس زمین دے سر دے اُتے چکّر کسے اَسمان دا نہیں
ایہدا یُوسف واقف ناہیں قید خانے دِیاں راہاں نوں
ایہدی زلیخا دا دِل خالی فریاداں تے آہاں نوں
ایتھے ابراہیم کدی وی اگاں دے نال لڑدا نہیں
ایتھے موسیٰ غش نہ کھادے ایتھے طُور وی سڑدا نہیں
ایتھے بیڑیاں دے ڈُبّن دا کوئی وی امکان نہیں
ایتھے گھمّن گھیر نہ کوئی ایتھے کوئی طوفان نہیں
ایتھوں دے واسی نہیں روندے دُکھڑا بوہتے تھوڑے دا
ایتھے وصل دے نال نہ چھووے درد فراق وچھوڑے دا
ایتھے عقل نہ ٹھوکر کھاوے دوش کیہ دانشمنداں دا
رستے دے وَل پیچاں باہجوں مزا نہ آوے پینڈاں دا
اوس دُنیا نوں نٹھ اوئے سجنا اوس دُنیا وِچ جان نہیں
جس دُنیا وِچ اللہ لے ، جس دُنیا وچ شیطان نہیں

(اقبال)

محبّت دا فلسفہ

ڈونگھیاں ڈونگھیاں ڈبکیاں لاون، چشمے وچ دریاواں
وَدھ وَدھ کے دریا پئے پاون، گرد سمندر باہنواں
اِک دوجے نوں سینے لاون، وِچ اسمان ہواواں

دُنیا دی جس شے نوں ویکھو
نال محبتاں ہسدی
اِک دوجی ول کھچدی جاندی
اِک دُوجی وِچ وَسدی

قُدرت جد ایہہ چاہوے ہر شے
ناز مناوے دل دے
تُوں مَیں کیوں نہیں نیڑے وسدے
تُوں مَیں کیوں نہیں مِل دے

ویکھ پہاڑیاں اسماناں نوں
کیویں چُمّن چاون
لہراں موجاں دے وِچ آکے
گھُٹ گھُٹ جپھیاں پاون
پھُل وی اِک دُوجے وَل تک کے
سوہنی چھَب دکھلاون

دُھپ زمین دے مِلن دی خاطر
چانن سیج وچھائے
چانّی رات ہنیریاں دے وِچ
چُمدی پھردی سائے

پرانیاں پیار محبّتاں کولوں
اساں دُوہاں کیہ لیتا
جے توں مینوں گلے نہ لایا
مینوں پیار نہ کیتا

(شیلے)

وِچھل

ایہہ جِندڑی کیہڑے کم دی اے
جے اپنی وی سانوں وِیہل نہیں
ایس غم فِکراں دی دُنیا دے   کِسے سُکھ دے کنّڈے بہہ کے تے
کُجھ ہَس لیئے کُجھ رو لیئے
کُجھ داغ دلاں دے دھو لیئے

جے اپنی وی سانوں وِیہل نہیں
اسی وِیکھ لیئے
دن کیویں پھیرا پاوندا اے   کیویں نواں سویرا آوندا اے

جے اپنی وی سانوں وِیہل نہیں
ایہہ سوچ پوے
کیویں حُسن نظارے ڈھلدے نیں   کیویں عشق دے بھانبڑ بلدے نیں

جے اپنی وی سانوں وہل نہیں
وچ راتاں دے
اِک دو پل اکھیاں کھولن دی تاریاں دے موتی رولن دی

جے اپنی وی سانوں وہل نہیں
ایس غم فکراں دی دُنیا دے کسے سُکھ دے اوہلے بہہ کے تے
کوئی مِٹھی یاد جگا لیئے
اوہنوں نال کلیجے لا لیئے

ایہہ جندڑی کاہدے کم دی اے

(ماخوذ)

ایس دُنیا توں دُور

ایس دُنیا توں دُور
وَسدی سی اِک حُور
جِتھے کوئی اکھ نہ کھولے کوئی جھات نہ پاوے
نہ کوئی اوسدا رُوپ پہچانے نہ اوہدے گُن گاوے
جِتھے کوئی انگ نہ ڈولے
عشق دی نظراں توں وی اوہلے
وسدی سی اِک حُور
ایس دُنیا توں دُور

جیویں رات ہنیرے اندر
کوئی اکلّا تارا وِچ اسمان دے چمکے
یاں کِتنے گوُڑھیاں پتھراں اپرّ
اَدھ بیچڈا اُگیا چُھپیا، بُھل لالے دا دَمکے
دُنیا دی نظراں توں ہٹ کے
وسدی رہی اوہ حُور
ایس دُنیا توں دُور

آخر اِک دن ایسا آیا
اُس نے موت پیالہ پیتا
مر کے خاک بسیرا کیتا
ایس دُنیا توں دُور سی پہلاں
ہور وی ہو گئی دُور

پہلاں وی اوہ دِسدی نہیں سی پھیر وی نظر نہ آئی
کیہ ہویا ایہہ کیتھوں پُچھّو، دُنیا خبر نہ کائی

(ورڈز ورتھ)

بچپنا

اِک وقت سی اوہ ، ایس دھرتی تے
ہر بستی ، جنگل ، بیلا ، بن
پُھل بُوٹے ، سبزہ ، باغ ، چمن
جنّت دے نظارے جاپدے سَن
اِنج دِسدا سی
اک خواب دی دُنیا وسدی اے
پئی ہسدی اے
ہن دُنیا دا اوہ رنگ نہیں
دِن آوے بھانویں رات پوے
مری جس شئے وَلّے جھات پوے
اوس شے دا پہلا رنگ نہیں
اِک وقت سی اوہ ہُن لنگھ گیا
ہُن فیر نہیں پھیرا پاوے گا
اکھاں نے جو کُجھ ڈِٹھا سی
اوہ فیر نظر نہیں آوے گا

(۲)

ہُن وی برساتاں آوندیاں نیں
ہُن وی تے بدلیاں وسدیاں نیں
پتّیاں تے شبنم ٹھکدی اے
باغاں وِچ کلیاں ہسدیاں نیں

کدی بجلی سینتاں ماردی اے
کدی کڑک پئی ہٹکار دی اے

ہٹکورے تیز ہواواں دے
بدلاں دی کالک دھو دھو کے
چانن دا رُوپ سنوار دے نیں

پانی دیاں ریشمی لہراں تے
چند تارے لشکاں ماردے نیں

ہُن وی تے کالیاں راتاں وِچ
کئی لمیاں واٹاں لنگھ کے

جد سُورج پھیرا پاوندا اے
اِک نواں سویرا آوندا اے

ایہہ سبھ کُجھ ہوندا رہندا اے
پر دِل میرا ایہہ کہندا اے

ایہناں چیزاں دے وِچ جان نہیں
جو پہلاں سی اوہ نشان نہیں

(۳)

پر ہُن جد پنچھی گا وَندے نیں
شاخاں تے پینگاں پاوَندے نیں
کھیتاں وِچ ڈھور نچیندے نیں
من مانے ناز کریندے نیں

میرے ہُوک کلیجے اُٹھدی اے
نشتر جیہا من وِچ کھبھدا اے
میرا دل سینے وِچ ڈُبدا اے

اپنے وِچ اِک ایانے دا
کجھ شور کناں وچ آوندا اے
اوہ ایسی گل کہہ جاندا اے
دل اُٹھ کے پھر بہہ جاندا اے

ہُن میری اُداسی موسم دے
چہرے نُوں داغ نہ لاوے گی
ہاواں دے وین نہ پاوے گی

اِک واری فیر ایس دھرتی تے
خوشیاں دیاں موج بہاراں نیں
ہر پاسے خشکی پانی تے
رنگاں دِیاں وگیاں دھاراں نیں

اوہ ویکھو وچ پہاڑاں دے
چشمے پئے سنکھ وجیندے نیں
اوہ ویکھو سندر کھیتاں تے
فیر مست ہواواں ڈھل پئیاں
اوہ ویکھو پُھل پھلواڑی دیاں
سُتیاں ہوئیاں اکھاں کُھل پئیاں
آ میرے ایانے دوڑ کے آ
اِک واری فیر ایہہ شور مچا
توں کھیتاں دا پروانہ ایں
خُوشیاں دا مال خزانہ ایں

(۴)

تُسی بڑے نصیباں والے او
سَو وار میں تہانوں ویکھیا اے
جد خُوشی تُسی للکار دے او
اِک دُوجے نُوں ہاکاں مار دے او
اوہ بول کناں وِچ رسدے نیں
اوہ بول دِلاں نوں کھسدے نیں
دُنیا تے دُنیا اے، جنّت دے
واسی وی کِھڑ کِھڑ ہسدے نیں

میرے من وچ موجاں مان دے او
میرے دل وِچ راج تہاڈا اے
میرے سِر تے تاج تہاڈا اے

مَیں نال تہاڈے ہَسنا ایں
ایسے جنّت وِچ وسنا ایں
سَو لعنت ایس دیہاڑے تے
جے میرا جی اُداس ہووے

جد دُنیا رنگ رنگیلی تے
کُل عالم مُوجاں مان دا اے
اَج بچّہ بچّہ کھیڈدا اے
بھانویں کِنّاں ای نادان ہووے

موسم دا رنگ پچھاندا اے
شاخاں نوں جھُولی پا پا کے
پُھلّاں دے موتی چھاندا اے
جد سُورج مُکھ دکھلاندا اے

ماواں دِیاں نازک گودیاں وِچ
معصوم ہُلارے لیندے نیں
جد دُھپ دِیاں نرم شعاواں نوں
اوہ ہُمک ہُمک کے پیندے نیں

میں سبھ کجھ سُندا رہنا ایں
میں نال خُوشی ہس پینا ایں
پر بُوٹیاں وِچ اِک بُوٹا اے
ایہناں پیلاں وِچ اِک پیلی اے
دوہاں دی حالت دسدی اے
ایہہ دُنیا بھانویں وسدی اے
کوئی شئے سی جیہڑی کھوگئی اے
اوہ موج بہاراں کیہ ہوئیاں
جنّت دیاں دھاراں کیہ ہوئیاں

(۵)

ساڈا آؤنا ایس جہان دے وِچ
اوس دُنیا توں اِنج دِسدا اے
جیویں جاگدیاں
ہولا جیہا ٹھونکا آ جاوے
یاد آؤندی گل بُھلا جاوے
ایہہ ساڈی رُوح
ایہہ تارا ساڈے بھاگ دا اے
ایہہ نال ای ساڈے جاگ دا اے
کِتے گُجھیاں ڈُبکیاں لا لا کے

بڑی دُور دُراڈیوں آوندا اے
ساڈی جِندڑی آچمکا وندا اے
ایس دُنیا وِچ ، اسی آؤنے ایں
پر کُھنجے کُھنجے نہیں آوندے
اینویں سُنجے سُنجے نہیں آؤندے
اسی آؤنے ایں
وِچ پردے نُور ظہوری دے
سنگ جلوے ذات حضوری دے
جیہڑا ساڈا اصل ٹھکانا اے
اِک جنّت لے کے آؤنے ایں
بچپن نُوں وِچ وساؤنے ایں
پر جُوں جوں وقت گزردااے
گرد ایس نُورانی جنّت دے
کُجھ گُجھیاں بے معلوم جیہاں
جِندڑی دی ہنیری قید دِیاں
دیواراں کھچدیاں جاندیاں نیں
پر ایہناں ہنیریاں وچوں بھی
اِک نُور دا جھاؤلا آوندا اے
اوہ بچپن نُوں پرچاؤندا اے

فیر آؤندا اے پند جوانی دا
اسی جُوں جُوں قدم اُٹھانے آں
اسی دُور توں دُور ہو جانے آں

رنگ پھکا پیندا جاندا اے
ایس جوبن نور روحانی دا
اوڑک ہوندے ہوندے ایہہ ہوندا اے
چانن دا بیڑا تبہ جاندا اے
ترا دُھپ کھلیرا رہ جاندا اے

(۶)

ایہہ دھرتی آپنی گودی وِچ
دُنیا دِیاں خوشیاں بھردی اے
جُھوٹا ٹھٹھرا گ وی نہیں کردی
اِنج سچ مُچ تہ لے کردی اے
جیویں سکیاں ماواں پیار کرن
ایہناں بچیاں نوں ورچھاؤندی اے
پرچاؤندی اے
ایہہ چاؤندی اے

ایہہ بچے کیویں بُھل جاون
اوہناں ازلی خواب کہانیاں نوں
اوہناں اُچیاں محلاں ماڑیاں نوں

(۷)

اوہ ویکھو نکے جیڈرے نوں

چھ ورھیاں دے چھیل چھبیڈے نوں

کیویں دھنا مار کے بیٹھا اے

نویاں خوشیاں دی لہر پئی

گرد اوس دے نچدی گھمدی اے

من مانے محل اُسار دا اے

ماں آؤندی جاندی چمدی اے

بیبو تک تک خوشیاں وار دا اے

اوہدے لانبھے چانبھے نقشے نیں

انجان تے نازک ہتھاں دیاں

وڈیاں دی نقل اُتار دا اے

بیبا اپنے خواب خیالاں وچ

جندڑی دے نقش سنوار دا اے

کوئی نقشہ ویاہ تے شادی دا

کوئی ماتم گھر بربادی دا

بیبا جی دیاں ریجھاں لاؤندا اے

من بھانے گانے گاؤندا اے

ان بھولیاں کاریگریاں دے

کوئی ڈُکھڑے پریم پریتاں دے
کوئی دھندے جگ دیاں ریتاں دے

ایس گل توں وی اِک جا دے گا
ایہہ پہلا رُوپ اُتارے گا
کوئی سجرا مانگ سنوارے گا

ایہہ من موجی
ان بھولے ہاسے کھیڈاں دے
اسٹیج اُتے
سبھ دار و واری لیاؤندا اے
کدی نِکے بال ایانے نوں
کدی گبھرو جوان سیانے نوں
کدی بُڈھے کھوڈے کھبّر نوں
جندڑی دے سارے ٹبّر نوں

ایس ناٹک نے رُکنے مُکنا نہیں
ایس ایکٹر نے رُکنے رُکنا نہیں

اینے ایہوا ای کھیڈاں کرنیاں نیں
ایہدا پیشہ ای نقلاں بھرنیاں نیں

تیرے بھولے بھالے چہرے توں
اینویں ظاہرا ویکھن والے نوں

رتی جیہا تھاہ نہیں لبھدا اے
تیری رُوح دیاں گجیاں ڈونگاں دا

دُنیا دے وڈیرے فلسفیا!
ایس دھرتی تے
حکمت دا کلّا راکھا نوُں
وِچ انھیاں اِک سُجاکھا نوُں
ایہہ چُپ جیہیتی اکھ تیری
جا چھوہندی اے
قدرت دے ڈونگھے سمندراں نوُں
سبھے ازلی کھونجاں کھندراں نوُں
تیرے سِر تے ازلی سایہ اے
وِچ نوُر روحانی وسنا ایں توُں

(۸)

تیریاں نظراں دے وچ پھردے نیں
اوہ سارے بھیت حقیقتاں دے
جیہڑے لبھ لبھ کے اسیں تھکّے ایں
سانوں لبھدے نہیں
پئے پھرنے ایں وِچ ہنیریاں دے
قبراں جیہے گھُپّ گھیریاں دے

رب جاندا اے
ایہہ تیری جندڑی لافانی
جیہدی دِن وانگوں روشنائی اے
تیری روح تے ایداں چھائی اے
جیویں مالک ہنھ غلام ہووے
کدی اپنا آپ چھپاؤندی نہیں
توں چاہویں وی تے جاندی نہیں
اِنج نِکا جیہا اپانا نوں
پر تیرے رُوپ وجود اُتّے
اک اَسمانی آزادی دی
عظمت پئی ٹھاٹھاں ماردی اے
چمکاردی اے

کیویں اپنی جان کھپاؤنا نوں
ورھیاں دے پینڈے مار کے تے
جندڑی دے بھاری بوجھاں نوں
پھر پھر کے چُک لیاؤناں نوں
ایس اپنے بھولے پن دے وِچ
جندڑی نال آڈا لا لینا
اوہ اَزلی رُوپ گنوا لینا

تُوں جلدی ای

ایہہ ویکھیں گا، ایہہ رُوح تری

اِک خاکی بوجھ ہو جاوے گی

ایہہ رسم بناوٹ دُنیا دی

اوہ بھار ترے تے پاوے گی

جیہڑے کال کلوٹے کُبّرے ڈے

بدلاں نوں ودھ گھیرے نیں

جندڑی دِیاں ڈونگیاں راہواں دی

تھاواں نوں وی ٹیڈے ٹیڑے نیں

(۹)

ساڈی کِنّی خوش نصیبی اے

ساڈی جندڑی دی ایس راکھ دے وچ

کجھ ایہیاں وی چنگاریاں نیں

جیہڑیاں بجھدیاں نہیں

جیہڑی نسے ساتھوں نس جاندی اے

وِچ یاداں دے دھس جاندی اے

ایہناں بیتے ہوئے ورھیاں دیاں

جد یاداں دِل وچ آندیاں نیں

اِک ازلی ابدی خوشیاں دی
برکت دی جوت جگاؤندیاں نیں
اوہ خوشیاں تے اوہ آزادی
اوہ ریت اپانی عمراں دی
بھانویں سب توں وڈی نعمت اے

ایس گل پچھے
میں راگ خوشی دے گاؤندا نہیں
تعریف دے گیت سناؤندا نہیں

میں گاؤناں اے
گیت اوہناں لمّے رازاں دے
السیٹ سوال جواباں دے
دُنیا دے ظاہر نقشاں دے
جیہڑے دِسدیاں غائب ہو جاندے نیں
ہتھ آؤندے ای کھو جاندے نیں
اوہ سارے ڈراؤنے شک شُبہے
کمزور انسان نمانڑے دے
جیہڑا نویں جہان وساؤندا اے
اتے وسدے نہیں

اوہ ساڈی اُچیاں خواہشاں دے
سوہنے خواباں والے نظارے
جیہناں وِل تک کے
دِل ساڈی ہستی فانی دا
ڈر جاندا اے
جیویں مجرم دِل دے چور وَتے
کوئی ویکھے تے گھبراوندا اے
یاد آؤندیاں نیں
اوہ گلاں پہلے پیار دیاں
ورھیاں دے دُھندلے سایاں وچ
اوہ یاداں جھولے مار دیاں
بھانویں کھوے جیہیاں یاداں نیں
ساڈے دِناں دیاں رونشائیاں نیں
نظراں دیاں راہنمائیاں نیں
سانوں چُک کے گل نال لاؤندیاں نیں
بہلاؤندیاں نیں
ایہناں یاداں وچ اِک جادو اے
جیہڑا اجنڈری دے ملّے ورھیاں نوں
ہنگامے شور شرابے نوں

گھڑیاں دے وانگوں کر دیندا

اِک رومانی خاموشی دے

سانچے دے اندر بھر دیندا

اوہ اصلی رنگ سچائیاں دے

جیہڑے آؤندے تے فیر جاندے نیں

اسیں کنے بے پروا ہوئیے

بھانویں کنے ای ٹِل لا موئیے

کوئی بچہ ای نادان ہووے

خوشیاں نوں اپنویں روڑن لئی

دُکھاں دا اِک طوفان ہووے

بھوندے نیں روپ صفائیاں دے

سوندے نہیں رنگ سچائیاں دے

ایسے واسطے ای

جس ویلے وی

کوئی مدھم جیہی رُت ہووے

بھانویں ہوئیے اسی کِدھرے وِی

ساڈی رُوح نوں جھاوے آؤندے نیں

اوس لافانی سمندر دے

جدھی تیز طوفانی چھلاں نیں

سانوں اینتھے روڑھ لیاندا اے
ایہہ ساڈی رُوح
اینویں اکھ دے اِک پلکارے دے
ہوندی اے اوس کنارے تے
اتے دیندی اے
اوہ زور بچیاں دے شوراں دا
اوہ شور چھلاں دے زوراں دا

(۱۰)

ہُن گاؤ پنچھیو ! گاؤ تُسی
خُوشیاں دے راگ سُناؤ تُسی
ڈھوراں نوں کلیاں کرن دیو
راگاں وِچ خُوشیاں بھرن دیو
تُسی گائی چلو ، تُسی گائی چلو
مَستی وچ پیلاں پائی چلو
ایہناں دِلی خُوشیاں نال تُسی
کِھچ لیندے اوس بہاراں دے
اسی بیٹھے وچ خیالاں دے
خُوشیاں دے رنگ جماؤنے آں
پیئے آپناجی پرچاؤنے آں

کیہ ہویا جے اوہ نوُر نہیں
جس نوُر دے وچ اوہ چمکاں سَن
چمکاں وِچ ڈاڈھیاں دمکاں سَن

ایہہ منّیا فیر مُڑ نہیں دِسناں
اوہ رنگ رنگیلے سبزے دا
اوہ حُسن پُھلاں دِیاں کلیاں دا

کیہ ہویا ساتھوں دُور ہویا
ہُن فیر کدی نہیں آوے گا
جو چلا گیا اے اوہنوں روناں کیہ
جو ہے اوس نوُں اپنا لیئے
ہس ہس کے گل نال لا لیئے

ایہہ جِنّے ساتھ پُرانے نیں
ایہہ ٹُٹیاں وی نہیں جانے نیں
کیہ غم جِندڑی دے روگاں دا

دُکھ جاندے نیں
سُکھ آوندے نیں

ایس مرنے نوں وِی کیہ ڈرنا
ایہہ موت نے اک دِن آونی ایں
ایہہ سبھ کجھ تجربہ وسدا اے

عمراں نال عقلاں آؤندیاں نیں
ایہہ حکمت آن سکھاوندیاں نیں

(۱۱)

میرے ٹویو، ٹبیو، میدانو
میری پپلیو، کھیتو، کھلیانو
ساڈی سانجھ پرانی ٹٹی نہیں
اجے دل وِچ تہاڈا ڈیرا اے
تہاڈا ہی راج بسیرا اے
پر اِک گل مینتھوں کھُنجھ گئی اے
اوہ وسّوں پرانیاں تھانواں دی
اوہ ٹھنڈ گھروگیاں چھانواں دی
ایہہ ندیاں چھلاں مار دیاں
ہُن وی جس ویلے پاؤندیاں نیں
کنڈھیاں نال جپھیاں پیار دیاں
مینوں ودھ کے سوہنیاں لگدیاں نیں
اوس دِن توں وی
جس دن میں ایہناں وانگوں اہی

ہر پاسے نچدا ٹپدا ساں

ہُن وی ہر نویں سویرے دے

اوہو جوبن لشکارے نیں

ہُن وی جد ڈُبدے سُورج نے

بدلاں دیاں چھاتوا ں ہوندیاں نیں

ایہہ اکھ میری

جس اکھ نے فانی جندڑی دی

ہر شئے دَل جھاتیاں پائیاں نیں

اوہناں بدلاں وچ

خوشیاں دے رنگ بھر لیندی اے

کئی رنگ آئے کئی رنگ گئے

جو آئے ایتھے لنگ گئے

ایہہ جیوندا رہوے دِل ساڈا

اسی ایہدے سہارے جیونے آں

ایہدے دُکھ سُکھ، ساڈے دُکھ سُکھ نیں

ایہدے نال ای سبھ اُمیداں نیں

ایہدی خوشیاں ساڈی عیداں نیں

کوئی نِکا وڈّا پُھل ہووے
جد ہسدا اے
مینُوں دسدا اے
راہ اوہناں ڈُونگھ خیالاں دی
جیہڑے ہر دِل وِچ وس سکدے نہیں
جیہڑے اتھرُو وی دس سکدے نہیں

(وِرڈزورتھ اوڈ ٹو اِمورٹیلیٹی)

زندگی

بدل چیخ کے بولیا ، ایہہ جندڑی
ساری عمر دا رون سیاپڑا ہے
بجلی چمک کے، کڑک کے کہن لگی
نہیں نہیں اِک پل دا ہاسڑا ہے
ایہہ گل اُڈ کے چمن تک جا پہنچی
پھل نے شبنم دے کن تک جا پہنچی
اک دوسرے نوں تکن لگ پئے
چپ ہو گئے سوچن لگ پئے

(پیامِ مشرق)

جہانِ عمل

ایہہ زِندگی اے اِک شراب خانہ، سدا ہین دی اے دعوت عام ایتھے
حصّے اونی شراب ای آوندی، جِنّا ہوندا اے کِسے دا جام ایتھے
گل راز والی جیہڑی اجے نوڑی، کِسے واج دے وِچ سمائی نہیں
صاف جام دے لباں توں ٹپکدی اے، بول پیندی اے وانگ کلام ایتھے
ایتھے سلسلہ وجد تے حال دا اے، ایتھے گل کوئی قیل وقال دی نہیں
نکتہ فلسفے داجیہنوں سمجھدے او، اوہنوں آکھدے نیں دُرد جام ایتھے
ایس زندگی دی تیز دوڑ اندر، اساں وقت دا ساہ اُکھاڑ دِتّا
اوہدا سویر دا اُبھریا ہویا سُورج نظر آوندا اے لب بام ایتھے
لوکی مُڈھ توں ای اِک غلطی نوُں صحیح سمجھ کے ذہن وِچ بیٹھ گئے نیں
آکھن زِندگی نام سکون دا اے، تے اوہ زندگی کرے خرام ایتھے
اسیں طلب دے جوش وِچ نکلے آں، اسیں طلب دی لاج نوُں پالنے آں
ایس علم دے جسم وِچ جان پا کے اوہنوں عمل دے رُوپ وِچ ڈھالنے آں

(پیامِ مشرق)

غزل

(ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں)

پچھے تاریاں ہور جہان وی ہن
اجے عشق دے ہور امتحان وی ہن

ایہہ فضاواں نہیں خالی زندگی توں — اتھے ہور کئی کاروان وی ہن
ایس رنگاں دی دنیا تے ریجھ گیاں — چمن ہور تے ہور آشیان وی ہن
کھسیا اک ٹھکانا تے کیہ ہویا — ہاواں بھرن دے ہور مکان وی ہن
توں ہیں شاہین تے اڈنا کم تیرا — تیرے ساہمنے ہور اسمان وی ہن
ایسے رات تے دن وچ پھس نہ جا — تیرے ہور مکان، زمان وی ہن

اوہ دن گئے جد اینتھے اکلا ساں میں
ہن تے میرے کجھ جان پہچان وی ہن

(علامہ اقبالؒ)

بُوئے گُل

اِک حُور فردوس دے باغ اَندر بڑی کلپدی کلپدی کہن لگی
کیہ ہوندا اے اَسمان دے اوس پاسے ایس راز دی سانوں نہ خبر کوئی
میری سمجھ دے وِچ نہیں آوندا اے صبح و شام کیہ نیں دن رات کیہ نیں
اِیدھر اِک جمیا، اودھر اِک مویا، ایہہ کیہ سلسلہ اے ایہہ کیہ گل ہوئی
رنگ دی لہر بن کے پُھٹی شاخ وچوں اَنج آئی ایس فانی جہان دے وِچ
کِھلی کلی وانگوں، ہنسی پُھل بن گئی پتیاں جھڑ گئیاں اکّوآن دے وِچ
نس کے آئی بہشت توں، ختم ہوئی ایس نسنے دا مزہ چکھ لیا
اِک آہ رہ گئی یادگار اوہدی، اساں ناں اوہدا خُوشبو رکھ لیا

(پیامِ مشرق)

غزل

سُورج میری جھولی اندر، تارے وِچ گریبان دے
بینُوں ویکھیں تاں کجھُ نہیں مَیں، آپ نُوں ویکھدے جان ایں ہیں

مَیں ہاں شہر دے جنگل دے وِچ، مَیں ہاں محلاں ماڑیاں دے وِچ
میں ہاں درد تے درماں وی ہیں عیش دا وی سامان ایں ہیں

(پیامِ مشرق)

غزل

(زمن گرت نبود با د انتظار بیا)

میرے شوق دا نہیں اعتبار تینُوں، آجا ویکھ میرا انتظار آجا
اینویں لڑن بہانڑے لبھنا ایں، کیہ توں سوچیا ایں ستمگار آجا

بھانویں ہجر تے بھانویں وصال ہووے وکھو وکھ دوہاں دیاں لذتاں نیں
میرے سوہنیا جا ہزار واری، آجا پیاریا تے لکھ وار آجا

ایہہ رواج اے مسجداں مندراں دا، اوتھے ہستیاں تے خود پرستیاں نیں
میخانے وچ مستیاں ای مستیاں نیں، ہوش کر بن کے ہوشیار آجا

توں سادہ تے تیرا دل سادہ، تینُوں اینویں رقیب کُراہ پایا
جے توں میرے جنازے تے نہیں آیا، راہ تکدا تری مزار آجا

سُکھیں وَسنا جے تُوں چاہونا ایں میرے غالبا ایس جہان اندر
آجا رِنداں دی بزم وِچ آ بہہ جا، ایتھے بیٹھدے نیں خاکسار آجا

(دیوانِ غالب)

غزل

کدی ویکھ آکے ساڈیاں اکھیاں نوں
تیرے ویکھنے دا کِنا اے چا پیارے
اسیں اپنے دِل نوں خون کرکے
دِتا مہنجوآں وانگ وگا پیارے
دانہ چُھٹیا، اُگیا رُکھ بنیا
آکے آلھنے پا لئے پنچھیاں نیں
جال سٹ کے اجے اُڈیکنا اے
کدی پھسے گا آن ہُما پیارے
سُنیا اے توں کسے وَل تکدا نہیں
دل نے فیر وی نہیں اُمید ہاری
جے توں ویکھدا نہیں، نہ ویکھ مینوں
میرے حوصلے نوں ویکھ جا پیارے
میری نت بے تابیاں ویکھ کے تے
پیا دُور میرے کولوں نسنا سَیں
ہُن چُپ وِچ قبر دے لیٹیا آں میں
چلے آ پیارے چلے آ پیارے

(غالب)

مِلّی ترانے

میریا ڈھول سپاہیا

تینوں رب دیاں رکھاں تینوں رب دیاں رکھاں
اج تکدیاں تینوں سارے جگ دیاں اکھاں
میریا ڈھول سپاہیا
تینوں رب دیاں رکھاں

جدھر نظراں پاویں ویری مار نساویں
جنہاں راہواں توں جاویں جنہاں راہواں توں آویں
اوہناں راہواں دی مٹی چُمن میریاں اکھاں
میریا ڈھول سپاہیا
تینوں رب دیاں رکھاں

دشمن ویریاں دے ہلے آپنے سینے تے ٹھلے
جتھے قدم جماویں اوتھوں قدم نہ ہلے
تیرے قدماں توں واری میرے جیہیاں لکھاں
میریا ڈھول سپاہیا
تینوں رب دیاں رکھاں

کیہا مِٹھا مِٹھا لگنا ایں وے سپاہیا

کیہا مِٹھا مِٹھا لگنا ایں وے سپاہیا
کیہا سوہنا سوہنا لگنا ایں وے سپاہیا

تیرا اللہ بیلی ، تیرا رب بیلی
میریا ڈھول ماہیا، میریا چن ماہیا
کیہا مِٹھا مِٹھا لگنا ایں وے سپاہیا

وَیری ٹُک ٹُک جاندے نیں
ساہ مُک مُک جاندے نیں
تُوں ہَس ماہیا ، سُکھی وَس ماہیا
تیرے سِر اُتوں واری میرے سُکھ ماہیا

تارے تکدی رہنی آں
ہر ویلے ایہہ کہنی آں
شالا جیویں ڈھولا، سُکھی تھیویں ڈھولا

میری جان ماہیا ، میریا تن ماہیا
میریا ڈھول ماہیا ، میریا چن ماہیا

میرے ویر تے سایہ رب دا

میرے ویر تے سایہ رب دا
اوہ کسے کولوں نہیں اوں دبدا
کرماں والے تے سایہ رب دا

کرماں والا ویرا ہو

اوہنوں تکدے نیں چن تے تارے نی
میرا ویر اڈاریاں مارے نی
نشاناں والا اڈاریاں مارے نی

نشاناں والا ویرا ہو

کیہا وچ میدانیں اے سجدا
میرا ویر شیراں وانگوں گجدا
بھاگاں والا شیراں وانگوں گجدا

بھاگاں والا ویرا ہو

ایہہ تے راکھا اے پاک چمن دا
میرا ویر اے مان وطن دا
ماناں والا اے مان وطن دا

ماناں والا ویرا ہو

وے سپاہیا

وے سپاہیا کیہا سوہنا سوہنا دِسناں وے سپاہیا
ڈاڈھا چنگا چنگا لگنا ایں وے سپاہیا
سانوں چن وانگوں دِسناں وے سپاہیا
وے سپاہیا کیہا سوہنا سوہنا دِسناں وے سپاہیا

جدوں اگ دیاں شعلیاں وانگ بھڑکیں
وانگ بجلیاں پراواں وِچ پیا کڑکیں
پیا کڑکیں، پیا کڑکیں

کیہا سوہنا سوہنا دِسناں وے سپاہیا
ڈاڈھا چنگا چنگا لگناں وے سپاہیا
سانوں چن وانگوں دِسناں وے سپاہیا

جدوں وِچ میدان اج جاویں ماہیا
توپاں ٹینکاں دے نال لڑ جاویں ماہیا
اڑ جاویں ماہیا ، لڑ جاویں ماہیا

کیہا سوہنا سوہنا دِسناں وے سپاہیا
ڈاڈھا چنگا چنگا لگناں وے سپاہیا
سانوں چن وانگوں دِسناں وے سپاہیا

ماہی چھَبیل چھبیلا

او ماہی چھبیل چھبیلا ہائے نی جرنیل نی کرنیل نی
سارے جگ کولوں نیارا سانوں جِند کولوں پیارا
اوہ ماہی رنگ رنگیلا ، ہائے نی جرنیل نی کرنیل نی
اپنی جان دُکھاں وچ پا کے دیس دی عزت آن بچاوے
کوئلیں دین دُعائیں شالا دُور بلائیں
میرا جیوے ڈھول سجیلا ، ہائے نی جرنیل نی کرنیل نی
وَدھ وَدھ سکھیاں دین وِدھائیں جم جم جیوے سِر دا سائیں
کدی مان وکھاوے کدی ہسدا ای جاوے
نالے شوخ نالے شرمیلا ، او ماہی چھبیل چھبیلا
مُڑ گھر آیا دل دا جانی ہوگئی میری شام سہانی
ایسی چھب دکھلاوے دِل کھِڑ کھِڑ جاوے
رنگ لال ہووے کدی پیلا ، اوہ ماہی چھبیل چھبیلا
ہائے نی جرنیل نی کرنیل نی

میرا سوہنا شہر قصور نی

میرا سوہنا شہر قصور نی

ہویا دُنیا وِچ مشہور نی   میرا سوہنا شہر قصور نی

ایہہ شہر اے ترکاں تازیاں دا   ایہہ بستی مرد دلیراں دی

ایہہ شہر سپاہیاں غازیاں دا   ایہہ بستی رب دیاں شیراں دی

ایہدیاں دُشماں دُور دُور نی

میرا سوہنا شہر قصور نی

ایہہ شہر اے شاہ عنایت دا   ایتھے بُلھے شاہ دا ڈیرا اے

ایتھے رات نوں دِن دا جان اے   ایتھے رہندا نت سویرا اے

ایتھے جلوہ نُور ظہور نی

میرا سوہنا شہر قصور نی

دشمن دِیاں فوجاں آئیاں سَن   ساڈے غازیاں مار مکائیاں سَن

ساڈے رب دی نظر سوّلی سی   رب کِیتیاں دُور بلائیاں نیں

پیا وَسدا شہر قصور نی

میرا سوہنا شہر قصور نی

دیس ہے ساڈی شان

دیس ہے ساڈی شان دیس اے ساڈی آن
دیس دے نال اسیں ایں زندہ
دیس ہے ساڈی شان

محنت دے شوقین اسیں ہاں محنت صبح تے شام ہاں کردے
حق نے سانوں ہمت دِتی ہمت نال سبھ کم ہاں کردے
ہمت ساڈی شان
دیس اے ساڈی آن

کمزوراں دے ہتھ ونڈاونے دُکھیاں دی غمخواری کرنا
ہر اک نال خوش ہو کے مِلنا ہر اک دی دِلداری کرنا
اپنا ہے ایمان
دیس اے ساڈی شان

آؤ دیس دے ہراک پاسے　　جنّت دے نظارے بھریئے
دیس اے ساڈا چمکاں والا　　ایس نوں ہور وی روشن کریئے
دُنیا ہووے حیران
دیس ہے ساڈی شان

دیس دے ناں دا اُچّا ہونا　　قوم دی عظمت ہوندی اے
دیس دی جے کر عزّت ہووے　　قوم دی عزّت ہوندی اے
دیس ہے سبھ دا مان
دیس ہے ساڈی شان

ایہہ پُتّر ہٹّاں تے نہیں وِکدے

ایہہ پُتّر ہٹّاں تے نہیں وِکدے
کیہ لبھنی ایں وِچ بازار کڑے
ایہہ دین ہے میرے داتا دی
نہ اینّویں ٹکّراں مار کڑے
کیہ لبھنی ایں وِچ بازار کڑے

ایہہ پُتّر وِکاؤ چیز نہیں
مُل دے کے جھولی پائیے نی
ایہہ ایڈا سستا مال نہیں
کِتوں جا کے منگ لیائیے نی
ایہہ سودا نقد وی نہیں مِلدا
توں لبھدی پھریں اُدھار کڑے
کیہ لبھنی ایں وِچ بازار کڑے

ایہہ شیر بہادر غازی نیں
ایہہ کسے کولوں وی ہردے نہیں
ایہناں دشمناں کولوں کیہ ڈرنا
ایہہ موت کولوں وی ڈردے نہیں
ایہہ اپنے دیس دی عزت توں
جان اپنی دیندے وار کڑے
کیہ لبھنی ایں وچ بازار کڑے

دھن بھاگ نیں اوہناں ماواں دے
جیہناں ماواں دے ایہہ جائے نیں
دھن بھاگ نیں بھیّن بھراواں دے
جیہناں گودیاں وچ ایہہ کھڈائے نیں
ایہہ مان نیں ماناں والیاں دے
نہیں ایس دی تینوں سار کڑے
کیہ لبھنی ایں وچ بازار کڑے

غیر مطبوعہ کلام

(اُردو)

غزل

اور شغل کیا ہوتا یار سے جدا ہو کر — موت کو مناتا ہوں زیست سے خفا ہو کر

ہائے ضد اور ایسی ضد مری ضد کہ ظالم نے — غیر سے وفائیں کیں دشمنِ وفا ہو کر

بے حیا دلِ ناداں دے انہیں جواب اُس کا — خواہشِ دوا کیوں ہے درد آشنا ہو کر

کہتے ہیں مجھے چپ ہو یہ مگر سمجھ رکھو — انتہا بھی کچھ ہوگی اس کی ابتدا ہو کر

یوں بگڑ کے بنتی ہے یِن کے یوں بگڑتی ہے — وہ مجھے مناتے ہیں غیر سے خفا ہو کر

ہجر کی مصیبت سے بڑھ کے اب یہ عالم ہے — موت کیوں نہیں آتی یار سے جُدا ہو کر

باوفا تو کوئی بھی ہجر میں نہ کام آیا — عمر نے وفا کی ہے مجھ سے بےوفا ہو کر

لوگ یونہی کہتے ہیں سجدے کون کرتا ہے — میں تو سر ٹپکتا ہوں محوِ نقشِ پا ہو کر

یار تو خفا ہو کر جائے بزمِ دشمن میں
ہم بھلا کہاں جائیں یار سے خفا ہو کر

غزل

کسی میں تابِ الم نہیں ہے کسی میں سوزِ وفا نہیں ہے
سنائیں کس حکایتِ غم کہ کوئی درد آشنا نہیں ہے

ہم انقلابِ فلک کے ہاتھوں بہت ستائے ہوئے ہیں یارب
یہ نالۂ بیکسی ہمارا شکایتِ ناروا نہیں ہے

ہجومِ وارفتگی کے ہاتھوں جو جاں چلی تو کھلا یہ عقدہ
کہ تار و پودِ خیال دلبر سے رشتۂ جاں جُدا نہیں ہے

کل اس بُتِ باوفا سے مل کر جو اور بیتاب ہو گیا دل
ہُوا یہ ظاہر کہ رنج و غم کی جہاں میں کوئی دوا نہیں ہے

یہی ہے اب آرزو تبسّم کہ دم نکل جائے آہ کرتے
کہ تابِ اظہارِ الفت یار شیوۂ آشنا نہیں ہے

غزل

مضطرب ہوتا ہے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے دل
کیا کہوں تجھ سے کسی پہ کس طرح آتا ہے دل

کس قیامت کی جنوں خیزی شبِ فرقت میں ہے
شام جب ہونے کو آتی ہے تو گھبراتا ہے دل

کوئی سمجھا دے اس میری بیتابی کا راز
دل کو تڑپاتا ہوں میں یا مجھ کو تڑپاتا ہے دل

اس نگاہِ ناز اور دل کے ہیں کیا راز و نیاز
جب وہ شرماتے ہیں یاں پہلو میں شرماتا ہے دل

شب کی تاریکی میں اس ہنگامۂ ہستی سے دور
ایک بحرِ یاس میں مجھ کو ڈبو آتا ہے دل

جب وہ آجاتے ہیں کھو دیتا ہے سب صبر و قرار
یوں تو تنہائی میں ہر دم مجھ کو سمجھاتا ہے دل

کوئی دم فرصت اگر ملتی ہے رنجِ عشق سے
شورشِ بے مہریٔ دنیا کا غم کھاتا ہے دل

چھوڑ دے اُس کی تبسم غمگساری چھوڑ دے
کس لیے اپنے ہی کیے کی سزا پاتا ہے دل

غزل

اے چارہ ساز مرے میری بیتابیوں سے حیراں نہ ہو
میں اُس کو بھلاتا ہوں لیکن وہ رہ رہ کر یاد آتا ہے

وہ آئیں گے بہرِ تسکیں جب وقت ملے گا فرصت کا
لیکن یاں قلبِ مضطر تو ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے

اُس وقت تبسّم تڑپاتی ہے اہلِ وطن کی یاد مجھے
جب رات کی گہری خاموشی میں کوئی دیس سناتا ہے

غزل

یہ رو رو کے کہتا ہے بچپن کسی کا
جوانی لٹائے گی جوبن کسی کا

مری خاک اُڑ اُڑ کے لپٹا کرے گی
نہ چھوڑوں گا مر کر بھی دامن کسی کا

یہ جنبش سی ذرّوں میں کیوں آ گئی ہے
ترے پاؤں میں ہو نہ مدفن کسی کا

چمن میں جو غنچہ کہیں دیکھتا ہوں
مجھے یاد آتا ہے بچپن کسی کا

تمنّا ہے جب جوشِ الفت میں روؤں
مرے اشک ہوں اور دامن کسی کا

مجھے حشر میں بھی نہ بھولے گا ہرگز
چھپانا وہ سر زیرِ دامن کسی کا

تبسّم سنبھلنا کہ ہونے لگا ہے
جوانی پہ صدقے لڑکپن کسی کا

غزل

وہ سرخوشی دے کہ زندگی کو شباب سے بہرہ یاب کر دے
میرے خیالوں میں رنگ بھر دے میرے لہو کو شراب کر دے

حقیقتیں آشکار کر دے، صداقتیں بے حجاب کر دے
ہر ایک ذرّہ یہ کہہ رہا ہے کہ آ مجھے آفتاب کر دے

خلافِ تقدیر کر رہا ہوں، پھر ایک تقصیر کر رہا ہوں
پھر ایک تدبیر کر رہا ہوں خدا اگر کامیاب کر دے

یہ خوب کیا ہے، یہ زشت کیا ہے جہاں کی اصلی سرشت کیا ہے
بڑا مزا ہو تمام چہرے اگر کوئی بے نقاب کر دے

کہو تو رازِ حیات کہہ دوں حقیقتِ کائنات کہہ دوں
وہ بات کہہ دوں کہ پتھروں کے جگر کو بھی آب آب کر دے

ترے کرم کے معاملے کو ترے کرم پر ہی چھوڑتا ہوں
مرے گناہ کا شمار کر لے، میری سزا کا حساب کر دے

غزل

شعلہ بن جاتا ہے دل درد سوا ہوتا ہے
دوست کا دوست سے ملنا بھی بلا ہوتا ہے

عشق اک کیف کی تصویر بنا ہوتا ہے
حسن کیا جامِ مئے ہوش ربا ہوتا ہے

پوچھیے حال تو وہ اشک بہا دیتے ہیں
دلِ عشاق میں کیا جانیے کیا ہوتا ہے

آہ اس وقت کی بیچارگیٔ شوق نہ پوچھ
یار جب یار کے پہلو سے جدا ہوتا ہے

کام بن جاتے ہیں پرفیضِ کرم سے تیرے
ورنہ انسان کی تدبیر سے کیا ہوتا ہے

بت پرستی نہ سمجھیے کہ صنم بھی اے شیخ
چاہنے والوں کی نظروں میں خدا ہوتا ہے

غزل

کشش اور وہ بھی اُن کے بام و در کی
الٰہی خیر ہو میری نظر کی

فلک گر پیسنا ہی تھا تو ہم کو
بناتا خاک اُس کے رہگزر کی

کسی کے پاؤں پہ سر رکھ کے ہم نے
حکایت درد و غم کی مختصر کی

چلے ہو کر کے مجھ سے عہدِ فردا
مری بے تابیوں پر بھی نظر کی

ازل سے اپنی قسمت میں لکھی تھی
جدائی اور وہ بھی عمر بھر کی

ہماری خستگی پہ رو رہا ہے
خبر لینا ہمارے چارہ گر کی
کسی کی یاد میں خوں بار رہنا
اسی میں آبرو ہے چشمِ تر کی
وہ آئیں دن ہو جائیں رات ورنہ
حقیقت کیا مری شام و سحر کی

گیت

کہسار کے دامن میں
گلزار کے دامن میں
جنت کا سماں لے کر
فردوس کی جاں لے کر
فطرت نے بسائی ہے اس وقت نئی دنیا
ہنگامۂ ہستی کی
یہ گھڑی خموشی بھی
اک ساز بجاتی ہے
اک راگ بجاتی ہے
نغموں کے تموّج میں ہیں جھوم رہے منظر

ہے رات .....

غنچوں کے تبسم سے

خاموش ترنم سے

لرزاں ہے نظر میری

رقصاں ہے نظر میری

اور میری نگاہوں میں ہے جھوم رہی دنیا

یُوں مرے دل سے کھیلتی ہے بہار

یوں مرے دل سے کھیلتی ہے بہار

جیسے تاروں کی دل نشیں چشمک　　جس طرح چاند کی حسیں کرنیں
نیم شب گوشۂ گلستاں میں　　پتی پتی پہ خار سے کھیلیں

یوں مرے دل میں کھیلتی ہے بہار

جس طرح قربِ حسن کا احساس　　جیسے محبوب کی نگاہِ جمیل
دل میں آنکھوں کی راہ سے اُترے　　اور ہوجائے روح میں تحلیل

یوں مرے دل سے کھیلتی ہے بہار

جیسے الفت کے بے صدا نغمے　　جس طرح غم کی مضمحل تانیں،
درد و افسردگی سے اُکتا کر　　سازِ ہستی سے خود بخود اُبھریں

یوں مرے دل سے کھیلتی ہے بہار

جیسے آنچل کسی حسینہ کا　　ہولے ہولے اُڑا رہی ہو نسیم
جس طرح عکسِ حور سے کھیلے　　خلد میں موجِ کوثر و تسنیم،

یوں مرے دل سے کھیلتی ہے بہار

منظوم اُردو ترجمہ

نمی دانم چہ منزل بُود شب جائے کہ من بُودم

بتاؤں کس طرح وہ کیا تھی منزل کل جہاں میں تھا
ہر اک جانب مرے تھا رقصِ بسمل کل جہاں میں تھا

وہ محوِ ناز تھا، سب گوش بر آواز تھے مجھ کو
زباں پر بات لانا بھی تھا مشکل کل جہاں میں تھا

وہ محبوبِ سہی قامت وہ لالہ رُخ، پری پیکر
وہ دلبر تھا سراپا آفتِ دل کل جہاں میں تھا

خدا تھا میرِ مجلس لامکاں کی بزم تھی خسرو
محمد مصطفیٰ تھے شمعِ محفل کل جہاں میں تھا

سہرا

سر بسر یمن و سعادت کا ہے مظہر سہرا
اپنے اس بخت پہ اترائے نہ کیونکر سہرا

رُخِ نوشہ سے ہیں چھَن چھَن شعاعیں نکلیں
اور اک نور کا ہے سہرے کے اوپر سہرا

چومتا ہے تیرے سر چڑھ کے جبیں کو تیری
کیوں نہ جھک جائے ترے پاؤں پہ آ کر سہرا

کیوں مہک جائے نہ خوشبو سے ہر اک گوشۂ بزم
ہے سمن رُخ، سمن اندام، سمن بر سہرا

سہرے کی تاب سے ہے چہرۂ نوشہ چمکا
اور چہرے سے ہوا اور منوّر سہرا

تار سہرے کے ہیں خورشید کی کرنیں گویا
سر بسر بن گیا اک نُور کا پیکر سہرا

مرگ صبح

چار چاندوں کی رات
اور ایک اکیلا پیڑ
تنہا اس کا سایہ
اور خالی ایک پرندہ (تنہا)
اپنے گوشت میں ڈھونڈ رہا ہوں
تیرے لبوں کی راہ
چشمہ ہوا کو چوم رہا ہوں
یونہی چھوٹے بغیر
تری نہیں کا تحفہ ہاتھ میں

لے کر گھوم رہا ہوں
جیسے بالکل صاف سفید ہو
موم کا کوئی لیموں
چار چاند کی رات
اور ایک اکیلا پیڑ
ایک سوئی کی نوک کے اُوپر
میرے پیار کی کات

سوار کا گیت

قرطبہ
دُور ہے اور تنہا
کالا گھوڑا ، اُجلا چاند
اور زیتونوں کا تھیلا
رہ سے واقف ، لیکن میں
قرطبہ کبھی نہ پہنچوں گا

یہ میدان ، یہ ہوا کا زور
کالا گھوڑا ، لال سا چاند
گھور رہی موت مجھے
قرطبہ کے میناروں سے
ہائے اتنی لمبی سڑک !
ہائے مرا گھوڑا تیز سبک !
ہائے موت ہے چشم براہ
قرطبہ پہنچوں گا جب تک
قرطبہ
دُور ہے اور تنہا

دور اس مغربی شبستاں میں
ہولے ہولے اُبھر رہا تھا چاند
ہلکا سا اِک نسیم کا جھونکا
آ کے دروازہ میرا کھول گیا
سایۂ گل کی سرسراہٹوں سے
میں نے جانا کہ میری محبوبہ
تاروں کی روشنی جلو میں لیے
میری خلوت سرا میں آئی

(اپنے شوہر سے)

کس قدر پیار ہے ہم میں
میرے پیارے محبوب
دیکھ یہ آتشیں جذبات
یہ بے تابیٔ شوق
اتنی شدّت
اتنی حدّت

لے کے اک تودۂ گل
کوئی سی شکل بنا
اپنی صورت کی طرح، میری صورت کی طرح
دونوں کو توڑ دے تو
ریزہ انھیں کر
کر کے پھر پانی سے تر
دونوں کو خوب ملا، خوب ملا
تاکہ بن جائے پھر اک تودۂ گل

اور اس تودے سے تُو
ایک بُت اپنا بنا
ایک بُت میرا بنا
دونوں کو غور سے پھر دیکھ ذرا
مری صورت سے عیاں
کچھ تری صورت ہوگی
تری صورت سے عیاں
کچھ مری صورت ہوگی

خواب

کہتے ہیں خواب ، فکرِ انساں کے
بکھرے بکھرے ہوئے سراب ہی ہیں
چاہتی ہوں کہ میں اُسے دیکھوں
اس کی صورت فقط یہ خواب ہی ہیں

سردی کی رات

یوں کٹے گی نہ سردیوں کی رات
کیوں نہ اک ٹکڑا کاٹ لوں اس کا
اپنے بستر تلے چھپا کر رکھوں
موسمِ گُل پہ جب نکھار آئے
اور جانِ نو بہار آئے
وصل کی شب میں مَیں اُسے جوڑوں
اور اس رات کو دراز کروں

کہیں گردوں مری محبوبہ کا تحفہ تو نہیں
نہیں ہرگز نہیں
پھر یہ کیا بات ہے
میں جب بھی اُسے یاد کروں
خود بخود میری نظر اس کی طرف اُٹھتی ہے

دیکھو اس ناؤ کے کھوّیے نے
آبنائے یورا بیں جاتے ہوئے
اپنے چپّو ہی کھو دیے ہیں کہیں
یہ تو سب عشق کی سی بات ہوئی
جس کو اتنی خبر نہیں ہوتی
کہاں جانا، کدھر کو جاتا ہے

نصف مہتاب کے خواب آلودہ
یخ بستہ ٹھہراؤ سے
اس عمیق اور گھمبیر شب کا
طلسمِ حسیں ٹوٹ کر رہ گیا

نالیاں، جھاڑیوں میں دبی اپنی مجبور
خاموشیوں، پہ تاسف کناں
اور مینڈک، سیہ سائے کے یہ موذّن
سبھی مدہوش ہو کر گرے

گاؤں کی اس پرانی سرائے میں
نغماتِ افسردہ کی لَے، بھی اب ختم ہے
اور سب سے پرانے ستارے نے
اپنی کرن کا گلہ گھونٹ کر رکھ دیا

ہوا بھی پہاڑوں کے تاریک غاروں
میں آرام کرنے لگی
اور اِک سروِ تنہا
وہ پاکیزہ میدان کا فیثا غورث
ہاتھ پیرانہ اپنا اٹھائے ہوئے
چاند کے نوچنے کو چلا

۲۷ر اگست بروز پیر
ووسٹر (امریکہ)

یہ گُل
جلوۂ نوبہاراں کے آئینے میں
اک لرزتا ہوا
تُند اور تیز سایہ
گریزاں گریزاں، رواں
طائرِ خوش نوا کی یہ آواز
سازِ فطرت کے نغمے
کی ترتیب و آہنگ کا
لوحِ قرطاس پر
ایک صوتی نشاں
زندگی کیا ہے
انسان کے بارگاہِ ابد کی طرف
ایک پیہم سفر کی کہانی میں
اک نیم وقفہ کوئی
یونہی الفاظ کے درمیان

آدھا چاند

کس قدر آسمان ہے خاموش
چاند پانی پہ تیرتا جائے
اور لہروں کی زنگ خوردہ چھک
ہولے ہولے تراشتا جائے
اتنے میں ایک چھوٹے مینڈک نے
چپکے چپکے اُٹھا لیا اُس کو
ننھا سا آئینہ سمجھ کے اُسے

۲۹ر اگست ۱۹۷۳ء

رات

شمع ، چراغ
قندیل ، پتنگا

تیرہ بخت ستارے

سونے کی چھوٹی کھڑکیاں
لرزاں
صلیب ، صلیب ، صلیب
پو پھٹ میں جنباں

شمع ، چراغ
قندیل ، پتنگا

۲۹ر اگست ۱۹۷۳ء
ووسٹر (امریکہ)

خودکشی

قتل تو یہ نہیں
خودکشی ہے
آفتاب اپنے خوں ریز جذبات کی ضربِ کاری سے
جان دے کے
غربی اُفق کے پرے دفن ہے
اور اک خودکشی دیکھ لو
میں بھی اپنے تحمل کی غلط کوششوں کا ہوں مارا ہوا
مجھ کو اپنے ہی ہاتھوں سے کھودی ہوئی
قبر میں دفن کر دو مرے دوستو

سرودِ الم

غم و اندوہ نے
میرے خوابوں کی دُنیا کو چونکا دیا
میری آنکھیں کھلیں

درد کی میری نظروں سے نظریں ملیں
میرے احساس کی بے کلی جاگ اُٹھی
اور میں عمر بھر کی
پریشان بے خوابیوں میں سمویا گیا
میں نے کتنے ہی گائے ہیں نغمے مگر
پھر بھی ان سارے نغموں کے آغوش میں
حرفِ خاموش سا ہے ابھی
ایک نغمہ کہ میں گنگنا نہ سکا
میری آواز میں جو سما نہ سکا
کیسے ممکن تھا یہ

———

نظم

روح کو
زندگانی کی ان شاہراہوں میں
آزاد بے باک پرواز کے پَر لگا کر کھُلا چھوڑ دو
ارفع اعلیٰ مقاصد کی پرچم کشائی کرو
اس کا نغمہ
عام سیر و سیاحت نہیں
یاں پہ کشتی کی کوئی ضرورت نہیں
یاں ہوائی جہازوں کی حاجت نہیں
ہاں مگر .... ہاں مگر .... ہاں مگر
سُر ابھرتے ہیں نغموں سے غمناک کیوں
اپنے نغمے ہیں اتنے المناک کیوں

مجھ کو روحِ بشر کی زبان
کے الف با سے بھی آشنائی نہیں
یہ شاعر
یہ آتش نفَس لوگ
دِلہائے افسُردہ کو
کیسے تڑپاتے ہیں
آرزوؤں، تمنّاؤں کے شعلے بھڑکاتے ہیں
آرزو کی تڑپ ہی میں، ہر کام کی ابتدا ہے نہاں
اس تڑپ میں محبّت کی بھی انتہا ہے نہاں

کھو دیا میں نے ہدایات کا وہ پُرزہ کہیں
جس میں ملتے تھے ترے در پہ پہنچنے کے سُراغ
سخت افسُردہ و حیران و پریشان تھا دل
آ کے میں بیٹھ گیا زیست کے دوراہے پر
رہبروں، قافلے والوں سے پوچھا میں نے
میری منزل ہے کہاں مجھ کو پتہ بتلا دو
یاد ہے تُو نے کہا تھا مجھ سے
مختصر، سادہ خوش آئند سہانا ہے سفر
بعض بولے کہ یہ ہے راہ بہت دُور دراز
سخت دشوار، دل آزار کٹھن، زہرہ شکن

بعض کی رائے تھی یہ تنگ بھی ہے پُرخم بھی
کوہساروں کی سڑک کی طرح بل کھائے ہوئے
یاد ہے تُو نے کہا تھا مجھ سے
کہ رہِ راست ہے یہ ، رہگزرِ عام ہے یہ
بعض بولے کہ یہ رہ خواب پریشاں سا ہے
چند دل تنگ تعصّب زدہ دیوانوں کا
یاد ہے تُو نے کہا تھا مجھ سے
دارِ فانی میں جو اک لمحہ سے بھی کچھ کم ہے
ازلی سرِ حقیقت ہے یہی راہگزر
سفرِ زیست کی غایت ہے یہی راہگزر
اور پھر آ کے دیا تُو نے مجھے وہ پُرزہ
میں نے دیکھا ترے دروازے کی دہلیز پہ میں بیٹھا ہوں
اپنی ہی منزلِ مقصود پہ آ پہنچا ہوں

وہ مجھ سے ہُوئے ہم کلا

کہاں میں کہاں یہ مقام

○

یہ رنگینیٔ نو بہار الـ

یہ جامِ مَے خُوشگوار الـ
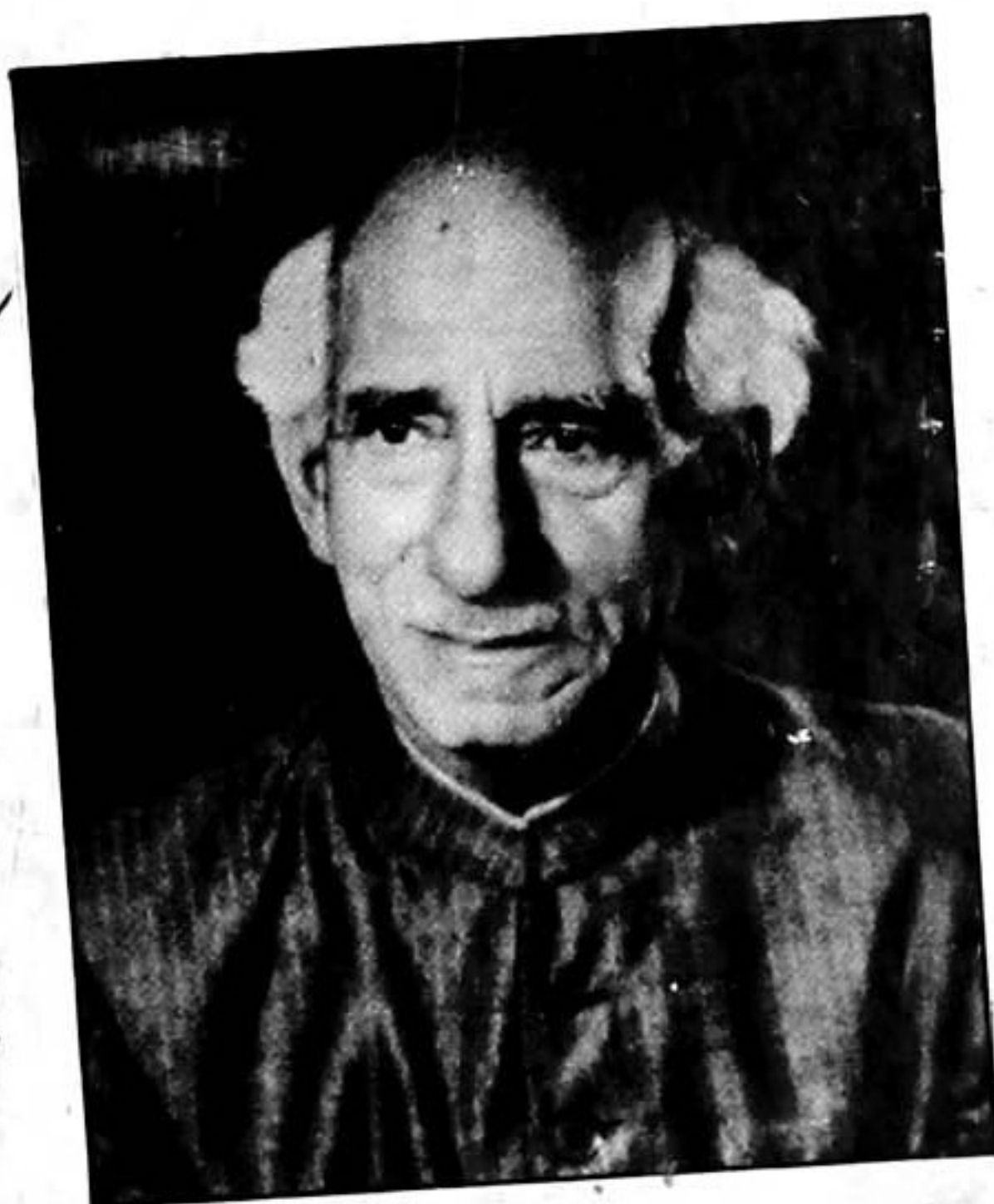
میریا ڈھول س

تینوں رب دیاں ر

سو بار چمن مہکا، سو بار بہار آئی

دُنیا کی وہی رونق، دل کی وہی تنہائی

پھُول تو ہیں پھُول کانٹوں سے سنور جائے بہار

آپ کے آئے تو ہر اک شے میں اُتر جائے بہار

آج سجدوں کی انتہا کر دوں

شوق مٹ جائے یا جبیں نہ رہے

ایہہ پُتر ہٹاں تے نئیں

کیہ لبھنی ایں وِچ بازار ک

میرے شوق دا نئیں اعتبار تینوں آجا دیکھ میرا اِنتظار آجا

اینویں لڑن بہانڑے لبھنا ایں کیہ تُوں سوچنا ایں ستمگار آجا